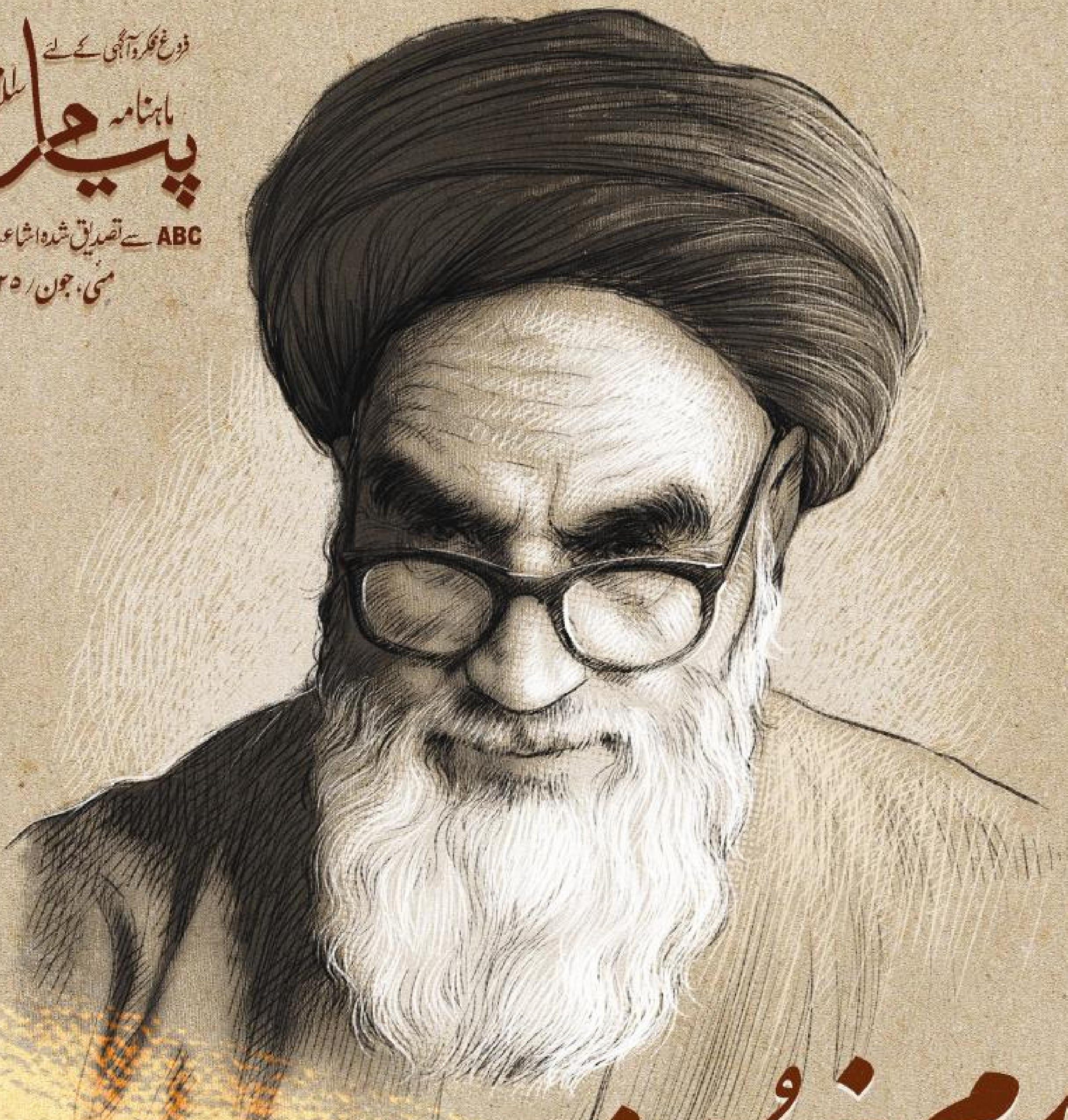
فروغ فکر و آگہی کے لیے
ماہنامہ
پیام
اسلام آباد
ABC سے تصدیق شدہ اشاعت
مئی، جون / ۲۰۲۵



امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نمبر

* دعا و مناجات اور امام خمینیؒ
* علامہ اقبال اور امام خمینیؒ میں فکری اشتراک
* احیاء قرآن کریم میں امام خمینیؒ کا کردار
* ولایت فقیہ اور امام خمینیؒ
* امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے ثمرات
* امام انقلاب



البصیرۃ
albasirah saqib akbar ukhuwat
+92 - 322 - 4148058 / +92 - 308 - 9786572
Albasirah, Shah Allah Dita, Islamabad

بسم الله الرحمن الرحيم

❋ ماہنامہ پیام

ماہنامہ پیام پاکستان کے علمی و ادبی حلقوں میں ایک ممتاز اور معروف مجلّہ ہے۔ اسے علمی و ادبی خدمات کے اعتراف میں متعدد اعزازی اسناد اور ایوارڈز سے نوازا گیا ہے۔

پیام کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہ ہر مسلک اور فکر سے تعلق رکھنے والے افراد کی علمی و ادبی تحریروں کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ مجلے کے موضوعات میں تنوع پایا جاتا ہے، جن میں خالص علمی و تحقیقی مقالات، جدید شاعری، عالم اسلام کے مسائل، پاکستان کے داخلی مسائل، اور اتحاد بین المسلمین جیسے اہم موضوعات شامل ہیں۔ پیام کے قارئین کا حلقہ بھی اس کے مصنفین اور موضوعات کی طرح وسیع اور متنوع ہے۔

در حقیقت، پیام ادارہ البصیرہ کے تمام علمی و ادبی مقاصد کا مظہر ہے۔ اس کی تحریریں معاشرتی شعور کو بیدار کرنے اور عالم اسلام میں رونما ہونے والے تازہ ترین حالات کو سمجھنے میں انتہائی معاون ثابت ہوتی ہیں۔ ملک کے دیگر جرائد و اخبارات اکثر اپنی اشاعتوں میں پیام میں شائع شدہ تحریروں کا حوالہ دیتے ہیں، جو ادارے کے لیے باعث فخر ہے۔ (ادارہ)

اجمالِ پیام

اداریہ

عالم اسلام کے عظیم مفکر اور سیاسی و مذہبی راہنما آیت اللہ سید روح اللہ موسوی خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بہت کچھ کہا اور لکھا جا چکا ہے اور بہت کچھ لکھا جائے گا لیکن محسوس یہ ہوتا ہے کہ ابھی اس سید بزرگوار کی شخصیت، افکار و نظریات کی بہت سی ایسی جہتیں باقی ہیں جن پر کام کیا جانا چاہیے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار و نظریات نیز حالات زندگی کو فارسی زبان میں مفصل انداز سے قلمبند کیا گیا ہے اسی طرح دیگر زبانوں بھی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ پر بہت سا کام موجود ہے تاہم اردو زبان میں زیادہ تر تراجم پر ہی اکتفا کیا گیا ہے۔

اگر بیسویں اور اکیسویں صدی کو امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ سے منتسب کیا جائے تو غلط نہ ہوگا، جنھوں نے ایران میں اسلامی انقلاب برپا کر کے پوری دنیا کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ عالم اسلام بالعموم اور خلافت عثمانیہ سے جڑے ہوئے مسلمان بالخصوص خلافت عثمانیہ کے خاتمے کے بعد سے عالم اسلام کی مرکزی حکومت اور سیاسی اقتدار کی حامل ایک باشرع اور اسلامی ریاست کو امت کے مسائل کا واحد حل سمجھتے تھے۔ اخوان المسلمین مصر اور عرب دنیا میں خلافت کے قیام کا خواب دیکھ رہی تھی اور برصغیر میں تحریک خلافت کے تحفظ کی جدوجہد کر رہے تھے۔ اگر ہم تخلیق پاکستان کو بھی ہم تحریک خلافت کا ایک ثمرہ کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ ایسے میں شیعہ مکتب فکر اس سیاسی اقتدار کی جدوجہد سے باہر تھا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایران میں انقلاب برپا کر کے اخوان اور تحریک خلافت والوں پر سبقت لے لی اور باقی سب کے لیے ایک مثال بن گئے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

سے قبل اور ان کے بعد کے امت کے حالات پر تحقیق کی جائے۔ بہت سی شخصیات نے تعصب اور تنگ نظری سے مبرا ہو کر امام خمینیؒ کی شخصیت پر کام کیا ہے، ان میں کراچی یونیورسٹی کے کلیہ معارف اسلامی کے طالب علم محمد اسحاق کا پی ایچ ڈی مقالہ "امام خمینیؒ کی شخصیت، اسلامی انقلاب کے رہبر کی حیثیت سے "جو ۲۰۱۳ میں تحریر کیا گیا لائق تحسین ہے۔

پاکستان میں امام خمینیؒ انقلاب اسلامی ایران سے بہت پہلے انقلابی راہنما کے طور پر متعارف تھے اور اس تعارف کا سہرا جماعت اسلامی کے بانی مولانا مودودی کے سر ہے جنھوں نے نہ فقط امام خمینیؒ کی تحریک کی عملی حمایت کی بلکہ انقلابی قیادت کے ساتھ مسلسل رابطے میں رہے۔ جماعت کی قیادت اور ترجمان القرآن مجلے کو اس حمایت کے بدلے مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ علامہ سید صفدر حسین نجفی نے امام خمینیؒ کی توضیح المسائل اور حکومت اسلامی نامی کتاب کا انقلاب سے قبل ترجمہ کیا۔ بانی البصیرہ سید ثاقب اکبر کہتے ہیں کہ وہ ۱۹۷۵ء میں علامہ مرتضیٰ حسین صدر الافاضل سے ملنے ان کی رہائش گاہ پر گئے تو آپ کے کمرہ میں امام خمینیؒ کی تصویر آویزاں تھی جس پر قرآن مجید کی یہ آیت کندہ تھی: فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا۔

علامہ مرتضی حسین صدر الافاضل نے انتہائی قلیل وقت میں امام خمینیؒ کی سوانح حیات " خمینی قم سے قم تک تحریر کی جو کہ اس دور کے حالات اور امام خمینیؒ کی جدو جہد کی پہلی اردو عینی شہادت ہے۔ بانی البصیرہ سید ثاقب اکبر کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے امام خمینیؒ کو اردو زبان میں پہلا منظوم خراج تحسین پیش کیا۔ یہ نظم اس وقت تخلیق ہوئی جب امام خمینیؒ پیرس میں تھے۔ اس نظم کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

حسینیت کے علمدار! اے مرے قائد!
ترے وجود سے لرزہ ہے سب یزیدوں پر
مرا یقین ہے، ایمان ہے خدا کی قسم
امام حقؑ کی نظر ہے تیرے مریدوں پر

بانی البصیرہ سید ثاقب اکبر مرحوم اوائل انقلاب اسلامی کے اولین برسوں میں قم المقدسہ زیر تعلیم رہے، ایران میں حصول علم دین کے ساتھ ساتھ امام خمینیؒ کے افکار کو دل سے پڑھا اور سمجھا۔ انہی افکار کی بنیاد پر آپ نے ۱۹۹۵ء میں اسلام آباد میں" اخوت اکادمی "کا آغاز کیا جو بعد ازاں ترقی کرتے ہوئے "البصیرہ" کی صورت اختیار کر گیا۔

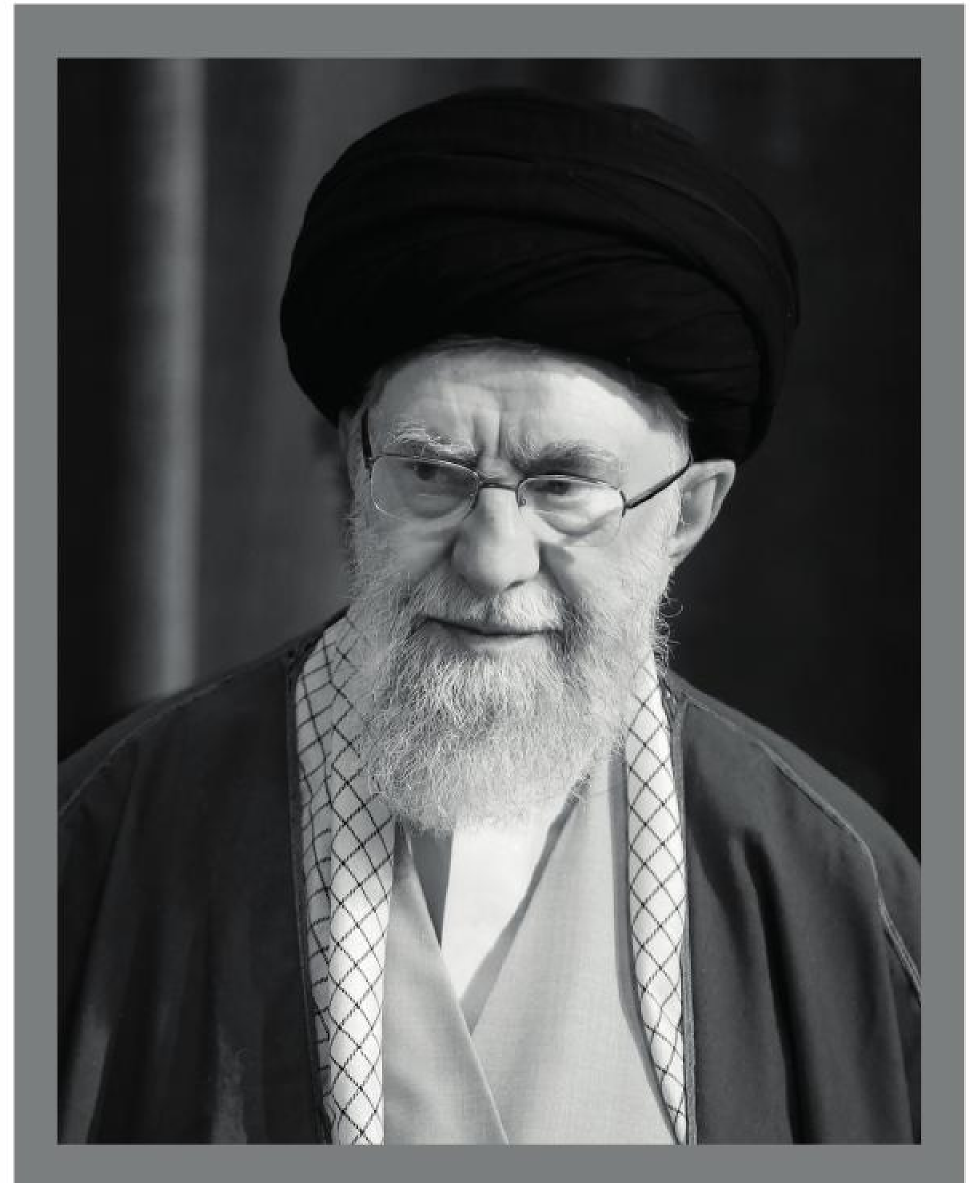
البصیرہ افکار امام خمینیؒ کو اردو زبان میں پیش کرنے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے۔ اس سلسلے میں کی گئی کوششوں میں امام خمینیؒ کی افکار کا ترجمہ، ان کے نظریات پر علمی و تحقیقی مقالات، کالم، کانفرنسیں اور سیمینارز وغیرہ شامل ہیں۔ زیر نظر مجلّہ

امام خمینیؒ کی شخصیت کی مختلف جہتوں کو بیان کرنے کی ہی ایک کاوش ہے۔ برصغیر پاک وہند میں امام خمینیؒ کی شخصیت پر بہت کم خصوصی نمبرز شائع کیے گئے ہیں۔ ماہنامہ پیام اپنے بہت سے کاموں کی مانند اس سلسلے میں بھی داعی کا کردار ادا کر رہا ہے۔ زیر نظر مجلے میں امام خمینیؒ کی شخصیت اور افکار کی مختلف جہتوں پر تحریروں کو قارئین کے لیے مرتب کیا گیا ہے۔

قارئین ذی وقار سے گزارش ہے اس مجلّہ کا مطالعہ فرمائیں اور اپنے قیمتی تبصرے سے مطلع کریں ۔

ایڈیٹر

سید نثار علی ترمذی



انھوں (امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ) نے بتوں کو توڑااور شرک آلود عقائد کا خاتمہ کیا۔انھوں نے سب کو یہ سمجھایا کہ کامل انسان بننااور علی علیہ الاالسلام کی طرح زندگی گزارنا کوئی افسانہ نہیں ہے۔انھوں نے قوموں کو یہ بھی باور کرایا کہ مضبوط بننا،غلامی کی زنجیریں توڑنااور تسلط پسندوں سے پنجہ آزمائی کرنا ممکن ہے۔(رہبر انقلاب اسلامی ایران آیت اللہ سید علی خامنہ ای)

دعا و مناجات اور امام خمینیؒ

سید ثاقب اکبرؒ

ناشر البصیرہ اسلام آباد

دعا و مناجات اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اپنی جوانی سے ہی عبادت اور دعا میں مشغول تھے اور یہ رغبت ان کی عمر کے ساتھ بڑھتی گئی۔ وہ ایک بلند مرتبہ عارف تھے اور ان کے ارد گرد کے لوگوں نے ان کی حیران کن عبادتی کیفیتوں کا مشاہدہ کیا۔ ان کی تقاریر، مکتوبات، اور کتابوں میں دعاؤں، خاص طور پر ائمہ اہل بیتؑ کی دعاؤں، سے ان کی وابستگی واضح تھی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے تیس سال کی عمر میں دعائے سحر کی شرح لکھی، اور کئی دیگر کتب میں بھی اس موضوع پر روشنی ڈالی۔ وہ دعائے رجبیہ، دعائے شعبانیہ، اور دعائے کمیل کو خاص اہمیت دیتے تھے، اور ان کے عمل سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مستحبات کی سختی سے پابندی کرتے تھے۔ ان کے ذاتی عملے کے سید رحیم میریان نے گواہی دی کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ دعا کے دوران بہت روتے تھے، اور ان کے آنسو پونچھنے کے لیے تولیہ رکھا جاتا تھا۔

امام خمینی کا اصرار تھا کہ دعا کے ذریعے انسان خود کو اللہ سے جوڑ لیتا ہے، اور اس عمل سے قلب میں نورانیت پیدا ہوتی ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے مناجات شعبانیہ کو بہت اعلیٰ مقام دیا اور کہا کہ یہ تمام ائمہ نے پڑھی ہے اور یہ عرفا کے تمام گہرے مطالب کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے انھوں نے اپنے استاد کا قول نقل کیا کہ قرآن "قرآن نازل" ہے، جبکہ دعائیں "قرآن صاعد" ہیں جو انسان کو بلندی کی طرف لے جاتی ہیں۔ صحیفہ سجادیہ کو امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے "قرآن صاعد کا کامل نمونہ" اور "الٰہی کتاب" قرار دیا جو معرفت الٰہی کے پیاسوں کو راستہ دکھاتی ہے۔ زیر نظر مضمون میں بانی البصیرہ سید ثاقب اکبر مرحوم نے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی دعا و عبادات سے رغبت کو مثالوں کے ہمراہ پیش کیا ہے۔ (ادارہ)

لام خمینیؒ اپنے دور کی ایک عبقری شخصیت تھے۔ عام طور پر بڑی شخصیات کی زندگی کا ایک پہلو زمان و مکان سے مربوط ہوتا ہے لیکن دوسرا پہلو انھیں آفاقی بنادیتا ہے اور گاہے ان کی جامعیت اور کمال ہستی کی وجہ سے انھیں ایک جاوداں حیثیت حاصل ہو جاتی ہے۔ ایسی نابغہ روزگار شخصیات ہی میں محی الدین ابن عربی، مولانا رومی، ملا صدرا اور علامہ اقبال شمار کیے جاسکتے ہیں۔ لام خمینیؒ بھی ایک ایسی ہی شخصیت تھے۔ ان کے بارے میں کہنے کو باتیں زیادہ ہیں اور مواقع کم، اس لیے ہم نے ارادہ کیا کہ ہم کسی موقع کے انتظار کے بغیر لام خمینیؒ کی دعا و مناجات کے حوالے سے شخصیت اور تعلیمات کے بعض پہلو اپنے قارئین کی خدمت میں پیش کریں۔

امام خمینیؒ اپنی نوجوانی ہی میں اہل دعا و مناجات تھے۔ عبادت و دعا و مناجات کی طرف ان کی رغبت بہت زیادہ تھی۔ جوں جوں آپ کی عمر میں اضافہ ہوتا چلا گیا، یہ رغبت بڑھتی چلی گئی۔ آپ ایک بلند مرتبہ عارف کے مقام پر جا پہنچے۔ عرفا کی جو نمایاں خصوصیات ہوتی ہیں وہ ان کی زندگی میں جھلکتی تھیں۔ ان کے پاس اور ارد گرد رہنے والے بہت سے افراد نے ان کے بارے میں حیران کن گواہیاں دی ہیں۔ ہم نے خود ۱۹۷۹ء کے انقلاب کے بعد جب ان کی تقاریر سننا شروع کیں، ان کے مکتوبات کا مطالعہ کیا اور ان کی بعض کتب کو دیکھا تو دعا و مناجات کا ان سب میں خاص طور پر ذکر اور اثر ملاحظہ کیا۔ اس سے ان کی دعاؤں اور خاص طور پر ائمہ اہل بیتؑ کی دعاؤں کی طرف رغبت بہت واضح ہوتی ہے۔

امام خمینیؒ کے اس پہلو کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ مضامین و مقالات کے علاوہ کتب بھی تحریر کی گئی ہیں۔ اردو میں آپ کی بعض دعاؤں کا ترجمہ تو موجود ہے لیکن زیر نظر موضوع پر باقاعدہ کوئی کتاب ابھی تک نہیں لکھی گئی اور نہ اس موضوع پر کسی کتاب کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ لام خمینیؒ نے تیس سال کی عمر میں جب کہ آپ بھرپور جوان تھے، دعائے سحر کی

شرح و تفسیر لکھی۔ اس کے بعد آپ کی متعدد کتب اس حوالے سے ذکر کی جاسکتی ہیں۔ بعض دعاؤں کی طرف آپ کا میلان بہت زیادہ تھا۔ خود اہل دعا و مناجات تھے چنانچہ سید رحیم میریان جو امام خمینیؒ کے ذاتی اسٹاف میں سے تھے، کہتے ہیں:

> امام خمینیؒ تمام مہینوں میں خصوصی مناجات پڑھتے تھے۔ اللہ سے مناجات کرتے رہتے تاہم رجب، شعبان اور رمضان کے مہینوں میں ان کے احوال کچھ اور ہی ہو جاتے۔ آپ کی حالت عجیب اور غیر معمولی ہو جاتی۔ ماہ رجب میں دعائے رجبیہ کی تلاوت کرتے۔ آپ فرماتے تھے کہ ماہ رجب کے بہت سے اعمال اور دعائیں ہیں جنھیں انجام دینا چاہیے۔ آپ خود بھی اس کی پابندی کرتے تھے۔ ہر جمعہ ظہر سے پہلے آٹھ رکعت نماز مستحب ادا کیا کرتے تھے۔ یہ عمل سال بھر جاری رہتا تھا۔ ماہ رمضان میں بھی یہ نوافل ادا کرتے تھے۔ مستحبات کی بہت پابندی کرتے تھے۔

سید رحیم میران مزید کہتے ہیں:

> آپ کے پاس مفاتیح کا ایک نسخہ ہوتا تھا چونکہ اسے زیادہ پڑھتے تھے اس لیے اسے دو مرتبہ تبدیل کیا گیا۔ ایک دن مجھ سے فرمایا: جاؤ میرے لیے الٰہی قمشہ ای کے خط کا مفاتیح کا نسخہ خرید لاؤ۔ پہلے والی مفاتیح کی کئی مرتبہ نئے سرے سے جلد بندی کی جا چکی تھی۔ بعض کہا کرتے تھے کہ حضرت امام "عارف مفاتیحی" ہی ہیں یعنی ایک ایسے عارف ہیں جو باقاعدہ مفاتیح کی دعائیں پڑھتے ہیں۔ آپ شعبان کی دعائیں پڑھا کرتے تھے۔ [کہتے تھے] جو کوئی بھی دعائے شعبانیہ کو جان لے گا متوجہ ہوگا کہ اس میں کس قدر سوز و گداز ہے۔

امام خمینیؒ کی دعا و مناجات کے دوران میں رقت کی کیفیت کو بیان کرتے ہوئے وہ کہتے ہیں:

> میں نے کئی مرتبہ دیکھا کہ جب امام دعا پڑھ رہے ہوتے آپ کے ساتھ تولیہ رکھ دیا جاتا۔ آپ اپنے آنسو اس تولیے سے پونچھا کرتے تھے۔ آپ چونکہ زار و قطار روتے تھے اس لیے رومال جلد گیلا ہو جاتا تھا۔ کئی دفعہ ایسا ہوتا کہ میں آپ کا رومال تبدیل کر دیتا۔ نصف شب کبھی میں امام کے گریہ کی آواز سے بیدار ہو جاتا تھا۔ پھر میں بھی وضو کرتا اور اسی کمرے میں بیٹھ جاتا اور امام کی دعا و مناجات اور گریہ نیم شب کو دیکھتا اور سنتا رہتا۔ [1]

۱۔ خاطرات خادمان و پاسداران امام خمینیؒ، خاطرات سید رحیم میریان

بعض کج فہموں کا نظریہ: دعا چھوڑیں اور قرآن پڑھیں

ہمارے ہاں بھی بعض لوگ دعا و مناجات کے خلاف طرح طرح کی باتیں کرتے رہتے ہیں۔ افسوس یہ ہے کہ ان میں سے بہت سے اپنی بات کرنے کے لیے قرآن کے نام سے سوئے استفادہ کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جب قرآن موجود ہے تو ماثور اور منقول دعاؤں کی کیا ضرورت ہے۔ ہمیں قرآن ہی پڑھنا چاہیے۔ قرآن کا نام لے کر بہت سے گروہوں نے ماضی میں بھی قرآن ہی کے مقاصد کے خلاف کام کیا ہے۔ ایسے افراد ایران میں بھی موجود ہیں، ایسے ہی لوگوں سے خطاب کرتے ہوئے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

> بعض لوگوں میں ایک کج فہمی پائی جاتی ہے جو گاہے بہت زیادہ ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ دعا کو نہیں سمجھتے کہ یہ کیا ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں کہ ہم صرف قرآن کو پڑھتے ہیں دعا کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ لوگ نہیں سمجھتے کہ دعا اصلاً ہے کیا۔ انھوں نے دعاؤں کے مضامین کو نہیں دیکھا کہ وہ کیا ہیں اور یہ دعائیں لوگوں سے کیا کہتی ہیں اور کیا کرنے کا کہتی ہیں۔ [1]

سورہ حمد کی تفسیر کرتے ہوئے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں:

> لوگوں کو دعا سے محروم نہیں کرنا چاہیے اور ہمارے جوانوں کو دعا سے منصرف نہیں کرنا چاہیے۔ یہ بات درست نہیں کہ قرآن کا نام لیا جائے اور کہا جائے کہ قرآن کو سامنے آنا چاہیے۔ یہ شیطانی وسوسے ہیں کہ کہا جائے کہ قرآن پڑھنا چاہیے اور دعا و حدیث کو ایک طرف کر دینا چاہیے اگر ہم دعا و احادیث کو ایک طرف کر دیں تو قرآن بھی چلا جائے گا۔ جو قرآن کو چاہتے ہیں کہ اسے سامنے لائیں وہ حدیث کو بھی اس کے پہلو میں رکھیں۔ یہ لوگ قرآن کو بھی سامنے نہیں لا سکتے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ دعا و ذکر انسان کو عملی زندگی سے کاٹ دیتے ہیں۔ وہ دعاؤں اور عبادات میں ہی پڑے رہتے ہیں۔ اس لیے ان لوگوں کا کہنا ہے کہ عوام کو دعا و ذکر کی تلقین نہیں کرنا چاہیے۔ ایسے لوگوں کا جواب دیتے ہوئے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ مزید کہتے ہیں:

> یہ خیال ایک اشتباہ ہے کہ یہ علوم معنوی لوگوں کو فعالیت اور کام سے روکتے ہیں۔ یہی شخص [امام علیؑ] جو لوگوں کو علوم معنوی کی تعلیم دیتے تھے اور رسول اللہؐ کے بعد حقائق کی معرفت رکھنے والا ان جیسا کوئی اور نہ

1۔ شکست طرح کودتا در ایران اسلامی وظیفۂ مسلمین در ماہ مبارک رمضان، ۱۳۵۹/۰۴/۲۱

تھا، اسی روز جب لوگوں نے آپ کی بیعت کی، بیعت کے بعد انھوں نے اپنی کدال اٹھائی اور اپنے کام پر روانہ ہو گئے، یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کے منافی نہیں ہیں۔ یہ لوگ جو لوگوں کو دعا وذکر وغیرہ سے پرہیز کا کہتے ہیں اور اپنے تئیں چاہتے ہیں کہ وہ امور دنیا میں لگ جائیں، یہ نہیں جانتے کہ اصلاً قصہ کیا ہے؟ یہ نہیں جانتے کہ یہ دعا اور معنوی امور انسان کی تعمیر کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ دنیا کو بھی یوں برتتے ہیں جیسے اسے برتنا چاہیے۔

بعض لوگ دعا کی قبولیت کے بارے میں طرح طرح کے اعتراضات کرتے رہتے ہیں، ان اعتراضات کے ویسے تو بہت سے جوابات دیے گئے ہیں اور دیے جاتے رہتے ہیں لیکن امام خمینیؒ نے ان کے جواب میں بہت بنیادی بات کی ہے۔ آپ کہتے ہیں:

دعا کرتے ہوئے آپ کیا ارادہ کرتے ہیں؟ کیا دعا کرتے ہوئے آپ کی ایسی ہی خواہشیں ہوتی ہیں جیسی ہم ایک دوسرے سے کرتے ہیں؟ دعا کا مطلب وہی ہے جس کا تعین احادیث میں کیا گیا ہے کہ "الدعا هو العبادة" یعنی دعا سراسر عبادت ہے۔ ہاں تو ہماری یہ دعائیں عبادت ہیں اور آتش و عذاب سے نجات بھی دلاتی ہیں لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ کس طرح سے عبادت ہیں اور کیسے آتش و عذاب سے نجات دلاتی ہیں۔ یہ دعا و تذکر کہ آپ کہہ رہے ہوتے ہیں: خدایا مجھے بخش دے، اس حالت میں کہ آپ اپنے آپ کو ہر جگہ سے منقطع کرکے اس کے آستاں سے جوڑ لیتے ہیں اور اُس کا خوف دل میں بٹھا لیتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں آپ کے ارد گرد نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس طرح آپ قابل شفاعت ہو جاتے ہیں۔ کتنی ہی ایسی دعائیں ہیں کہ نفوس میں جن کی تاثیر ضعیف ہوتی ہے لیکن قلب پر جن کی نورانیت نماز سے بیشتر اور زیادہ ہوتی ہے۔

امام خمینیؒ چونکہ خود صاحب ذکر و دعا ہیں اس لیے اس کی تاثیر کا گہرا تجربہ رکھتے ہیں۔ چنانچہ مزید فرماتے ہیں:

دعا و ذکر کرتے ہوئے اس کا نقش دل میں پیدا ہو جاتا ہے اور ان اعمال کے دہراتے رہنے سے قلب میں نورانیت پیدا ہو جاتی ہے اور دل پر اس کا نقش جم جاتا ہے، اس طرح ذکر خدا ایک ملکہ و صلاحیت کی صورت اختیار کر جاتا ہے اور ذکر کے ذریعے ذاتی طور پر انسان کا نفس اللہ تعالیٰ سے طلب مدد کی حالت اختیار کر لیتا ہے۔

بعض لوگوں پر دعا اس طرح سے گہرا اثر نہیں کر رہی ہوتی جیسا اثر عرفا پر کرتی ہے۔ وہ لوگ جو دنیا سے منقطع ہو کر اور پروردگار کی طرف پوری طرح متوجہ اور راغب ہو کر التجا والحان کی خاص کیفیت سے پروردگار کو پکارتے ہیں اور پاک ہستیوں کے الفاظ بطور دعا اپنی زبان پر جاری کرتے ہیں کہ جن کا اپنا اثر ہے، ان کی کیفیت اور ہوتی ہے لیکن عامۃ الناس پر بھی ان دعاؤں اور ذکر الٰہی سے کچھ نہ کچھ کیفیت ضرور طاری ہوتی ہے اگرچہ وہ ضعیف طور پر ہی کیوں نہ ہو۔ ایسے لوگوں کے بارے میں امام خمینیؒ کہتے ہیں:

> یہ لوگ جو ضعیف طور پر دعا پڑھتے ہیں اور ذکر الٰہی کرتے ہیں، اگرچہ وہ طوطے کی طرح دہراتے ہوں پھر بھی تاثیر کے لحاظ سے ان کی حالت ایسے افراد سے بہتر ہوتی ہے جو دعا و ذکر کو ترک کر دیتے ہیں۔

آیۃ اللہ خامنہ ای کا سوال اور امام خمینیؒ کا جواب

آیۃ اللہ العظمیٰ خامنہ ای نے ایک مرتبہ عوام کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

> میں نے امام [خمینی] بزرگوار رضوان اللہ علیہ سے سوال کیا کہ ائمہ علیہم السلام سے جو دعائیں ہم تک پہنچی ہیں آپ ان میں سے کس سے زیادہ رغبت اور دل بستگی رکھتے ہیں تو آپ نے فرمایا، دعائے کمیل اور مناجات شعبانیہ سے۔ امام کا دل خدا سے لگا ہوا تھا۔ وہ اہل توسّل، اہل تضّرع، اہل خشوع اور مبدا سے متصل رہنے والے تھے۔ ان کی نظر میں یہ دو دعائیں بہتر وسیلے کی حیثیت رکھتی ہیں، دعائے کمیل اور مناجات شعبانیہ، جب انسان ان دو دعاؤں کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان پر غور کرتا ہے تو دیکھتا یہ کہ یہ کس قدر باہم شباہت رکھتی ہیں۔ [1]

شعبان المعظم میں رمضان شریف کی تیاری

نبی پاکؐ کی سنت پر عمل کرتے ہوئے شعبان المعظم میں ہی امام خمینیؒ اپنے آپ کو رمضان المبارک کے لیے تیار کرتے تھے اور لوگوں کو بھی اس کی طرف راغب کرتے تھے۔ اس سلسلے میں ان کی بہت سی تقریریں اور تحریریں موجود ہیں۔ اس حوالے سے آپ کے اپنے عمل پر بھی بہت سی گواہیاں اور شہادتیں نقل ہوئی ہیں۔ لوگوں کو رمضان المبارک کے لیے تیار کرتے

۱۔ ۱۲ جون ۲۰۱۳ء کو عوام کے ایک اجتماع سے خطاب سے ماخوذ

ہوئے ایک موقع پر آپ نے فرمایا:

جب آپ کسی کے ہاں مہمان کے طور پر جانا چاہتے ہیں تو آپ کی وضع کچھ اور ہوتی ہے، اس کے لیے آپ اپنے آپ کو تیار کرتے ہیں، لباس بدلتے ہیں، گھر میں آپ جس طرح سے ہوتے ہیں اس سے مختلف انداز سے مہمان بن کر جاتے ہیں۔ ماہ شعبان اس لیے ہے کہ آپ کو مہمان کے طور پر کہیں جانا ہے، اس میں اپنے آپ کو تیار کرلیں، اپنے تئیں آمادہ کرلیں، اپنے ظاہر کو آراستہ کرلیں، کنگھی کریں اور سر وصورت کو بنا سنوار لیں۔ اس ماہ میں مسلمانوں کو اللہ کی ضیافت کے لیے اپنے آپ کو تیار کرنا ہوتا ہے۔ مناجات شعبانیہ یہی ادب سکھاتی ہیں۔

مناجات شعبانیہ اور امام خمینیؒ

امام خمینیؒ نے مناجات شعبانیہ کی تلاوت کی بہت سے مواقع پر تلقین کی ہے اور ان کی عظمت واہمیت کو مختلف انداز سے اجاگر کیا ہے۔ مسلمانوں کے معاشرے میں اسے رائج کرنے کے لیے آپ نے بہت زور دیا ہے۔ اس کے بارے میں آپ فرماتے ہیں:

مجھے نہیں یاد کہ میں نے کسی دعا کے بارے میں دیکھا ہو کہ اسے تمام ائمہ پڑھتے ہوں، جب کہ دعائے شعبانیہ کے بارے میں یہ بات ہے۔ یہ مناجات شعبانیہ اس لیے ہیں کہ آپ سب کو ضیافت الٰہی کے لیے تیار کریں۔

امام خمینیؒ نے مناجات شعبانیہ کے لیے ایک عجیب بات کہی ہے، شاید بہت کم لوگوں کو اس کی حقیقت کا ادراک ہو سکے۔ اہل اللہ اور اہل عرفان ہی اس بات کی گہرائی تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہ بات ہم آپ کے لیے نقل کیے دیتے ہیں:

اگر مناجات شعبانیہ کے علاوہ کوئی دعا نہ ہوتی تو یہ بھی اس امر کو ثابت کرنے کے لیے کافی تھی کہ ہمارے ائمہ برحق ہیں، جنھوں نے یہ دعا انشاء کی اور اسے پڑھتے رہے۔

مناجات شعبانیہ اور اسلامی متون میں نقل ہونے والی دعاؤں کے بارے میں امام خمینیؒ مزید کہتے ہیں:

عرفاء نے اپنی ضخیم کتابوں میں جو کچھ لکھا ہے اور جو کچھ کہا ہے وہ سب مناجات شعبانیہ کے چند کلمات میں سمو دیا گیا ہے بلکہ عرفائے اسلام نے انھیں دعاؤں سے جو اسلامی متون میں وارد ہوئی ہیں، استفادہ کیا ہے۔

قرآن نازل اور قرآن صاعد

عرفان میں اپنے استاد اور شیخ جناب محمد علی شاہ آبادی کی یہ بات امام خمینیؒ نے بہت سے مقامات پر نقل کی ہے کہ ائمہ کی دعائیں زمین سے آسمان کی طرف بلند ہونے والا قرآن ہے۔ ان کی اپنی اصطلاح میں یہ قرآن صاعد ہے۔ امام خمینیؒ اس بارے میں کہتے ہیں:

> اسلامی عرفان ہندی یا کسی اور مقام کے عرفان سے مختلف ہے۔ ان دعاؤں کے بارے میں ہمارے ایک شیخ کا فرمانا ہے کہ ''قرآن'' قرآنِ نازل ہے، یہ نیچے کی طرف آیا ہے جب کہ دعا نیچے سے اوپر کی طرف جاتی ہے، یہ قرآن صاعد ہے۔ ان دعاؤں میں موجود معنویات ایسی ہیں جو انسانوں کو آدم بنانا چاہتی ہیں۔ ایسے افراد کہ جنھیں ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے تو وہ سب حیوانوں سے بڑھ کر درندے ہو جائیں، یہ دعائیں ان کا ہاتھ تھامتی ہیں اور بلندی کی طرف لے جاتی ہیں، ایسی بلندی کہ جسے میں اور آپ نہیں سمجھ سکتے، اس کے اہل ہی اسے سمجھتے ہیں۔

صحیفۂ سجادیہ امام خمینیؒ کی نظر میں

امام خمینیؒ نے اپنے پوتے سید علی خمینی کو صحیفۂ سجادیہ کا ایک نسخہ ہدیہ کیا۔ اس نسخے پر آپ نے اپنے پوتے کے لیے ایک تحریر بھی لکھی۔ یہ تحریر بہت مفید اور گہرے مطالب کی حامل ہے۔ ملاحظہ فرمائیے:

بسمه تعالی

ہدیۃ النملۃ، ایک چیونٹی کا ہدیہ،

فارغ از هر دو جهانم به گل روی علی، از خم دوست جوانم به خم موی علی، طی کنم عرصه ملک و ملکوت از پی دوست، یاد آرم به خرابات چو ابروی علی

> صحیفہ کاملہ سجادیہ، قرآن صاعد کا کامل نمونہ ہے اور خلوت گاہ انس کی عظیم ترین عرفانی مناجات میں سے ہے اس کی برکات تک رسائی ہمارے بس کی بات نہیں۔ یہ ایک ایسی الٰہی کتاب ہے جو نور الٰہی کے سر چشمے سے پھوٹی ہے۔ یہ کتاب اللہ کے حضور خلوت اختیار کرنے والے اصحاب کو بزرگ اولیاء اور عظیم المرتبت اوصیاء کا طریقہ سلوک سکھاتی ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب شریف ہے جو معارف الٰہی کے تشنگان کو اصحاب معرفت کے پیرایۂ

بیان میں دعا و مناجات کے انداز میں قرآن کریم کی طرح الفاظ کے تکلف کے بغیر معارف الٰہی بیان کرتی ہے۔ یہ مقدس کتاب قرآن کریم کی طرح الٰہی دستر خوان ہے کہ جس پر ہر طرح کی نعمت چُنی گئی ہے اور ہر کوئی اپنی روحانی اشتہاء کے مطابق اس سے استفادہ کرتا ہے۔ یہ کتاب قرآن الٰہی کی طرح گہرے غیبی معارف کی حامل ہے جو ملک، ملکوت، جبروت، لاہوت اور اس سے مافوق عالم میں تجلیات الٰہی سے حاصل ہوتے ہیں، یہ میرے اور تیرے ذہن میں نہیں سماتے اور طلب کرنے والوں کے ہاتھ ان حقائق تک نہیں پہنچتا۔ اپنے عرفان کے دریائے بیکراں سے اپنے خاص انداز سے قطرہ قطرہ یہ حقائق انسان کو دکھائے جاتے ہیں جس کے نتیجے میں من و تو محو ہو جاتا ہے۔

پس عدم گردم عدم چون ارغنون

گویدم انا الیه راجعون

علامہ اقبال اور امام خمینیؒ میں فکری اشتراک

ڈاکٹر محمد اکرام اکرام

سابق صدر شعبہ اقبالیات، پنجاب یونیورسٹی لاہور

علامہ اقبالؒ اور امام خمینیؒ میں فکری اشتراک

علامہ اقبال اور امام خمینی دونوں بیسویں صدی کے ایسے فکری اور سیاسی رہنما تھے جنھوں نے مغرب کے بڑھتے ہوئے استعماری اثرات کے خلاف اسلام کو مسلمانوں کی بقا کا ذریعہ سمجھا۔ علامہ اقبالؒ نے برصغیر کے مسلمانوں کو اسلامی قومیت اختیار کرنے کی ترغیب دی اور اپنے اشعار سے خودی اور لا الہ الا اللہ کے پیغام کو دلوں میں اتارا۔ دوسری طرف، امام خمینیؒ نے ایران میں ڈھائی ہزار سالہ بادشاہت کو ختم کر کے اسلامی انقلاب برپا کیا، جس سے یہ ظاہر ہوا کہ ایمان کی طاقت لاکھوں دلوں کو متحرک کر سکتی ہے۔ دونوں رہنماؤں نے مغربی تہذیب کی لادینیت، نسلی تعصّبات اور اخلاقی گراوٹ کی شدید مخالفت کی اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی تلقین کی۔ ان دونوں نے دین اور سیاست کو لازم و ملزوم قرار دیا اور اس بات پر زور دیا کہ اگر دین کو سیاست سے الگ کر دیا جائے تو چنگیزی باقی رہ جاتی ہے۔ مزید برآں، دونوں شخصیات نے روایتی مدرسہ اور خانقاہی نظام پر تنقید کی جو زندگی اور محبت کے جذبے سے عاری تھے۔ ان کی جدوجہد کا مقصد مسلمانوں کو اپنی تقدیر خود اپنے ہاتھوں میں لینے اور حکمرانوں کی غلامی سے نجات حاصل کرنے پر مائل کرنا تھا۔ علامہ اقبال اور امام خمینی نے روسی کمیونزم میں مساوات کے عنصر کو سراہا لیکن اسے اسلام قبول کرنے کی دعوت دی کیونکہ اسلام ہی انسان کو تمام امتیازات سے پاک کرتا ہے۔ دونوں نے عالم اسلام کے استحکام کے لیے وحدت اسلامی پر زور دیا اور بالآخر اپنے اعلیٰ اہداف حاصل کرنے میں کامیاب ہوئے، جس کے نتیجے میں بالترتیب اسلامی جمہوریہ پاکستان اور اسلامی جمہوریہ ایران کا قیام عمل میں آیا۔ زیر نظر تحریر سابق صدر شعبہ اقبالیات پنجاب یونیورسٹی ڈاکٹر محمد اکرم اکرام کے عرفان و روحانیت امام خمینیؒ کی نظر میں سیمینار میں پیش کردہ تقریر ہے جسے قارئین پیام کے ذوق مطالعہ کی نظر کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

علامہ اقبال اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ بیسویں صدی کے فکری اور سیاسی رہنما ہیں۔ علامہ اقبال کے ظہور کا زمانہ بیسویں صدی کا نصف اول ہے اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے ظہور کا زمانہ بیسویں صدی کا نصف دوم ہے۔ یہ زمانہ مغرب کی استعماری قوتوں کی اس یلغار کا زمانہ ہے جس میں انھوں نے برصغیر اور ایران اور دیگر تقریباً تمام اسلامی ممالک کو تہذیبی، سیاسی اور اقتصادی طور پر مغلوب کیا ہوا تھا۔

برصغیر میں مسلمانوں نے تقریباً ایک ہزار سال تک نہایت قوت و شوکت سے حکومت کی مگر اب وہ بیک وقت دو طاقتوں یعنی برطانوی سامراج اور ہندو سامراج کے سامنے مغلوب ہو چکے تھے۔ علامہ اقبال نے مسلمانوں کو بیدار اور مستحکم کرنے کے لیے اپنی تمام فکری اور فنی توانائیاں صرف کر دیں۔ وہ صاحب الہام شاعر تھے۔ ان کے تمام افکار و نظریات کا مرکز و محور اسلام تھا۔ وہ اسلام کو مسلمانوں کے لیے سفینہ نجات اور سرچشمہ حیات تصور کرتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے کہا کہ مسلمانوں نے کبھی اسلام کی حفاظت نہیں کی بلکہ ہمیشہ اسلام نے مسلمانوں کی حفاظت کی ہے۔ اب بھی اگر مسلمان اسلام سے متوسل ہو جائیں گے تو نجات پا جائیں گے ورنہ انھیں کوئی چیز اس طوفان سے نہیں بچا سکتی۔ برصغیر کے مسلمانوں کے لیے اقبال کا نسخہ کیمیا یہ تھا کہ وہ ہندی قومیت کے دام فریب میں نہ آئیں بلکہ اسلامی قومیت کو اختیار کریں۔ تاکہ ان کا وجود اسلامی تشخص کے ساتھ قائم رہ سکے۔ یہ کیفیت ایران میں درپیش نہ تھی وہاں مسلمان اکثریت میں تھے بلکہ تمام ملک ہی مسلمانوں کا تھا۔ برصغیر میں ہندو اپنی اکثریت کی بنیاد پر ملک کے مالک بن رہے تھے۔ چنانچہ برصغیر اور ایران میں انقلاب لانے کے لیے جس بنیادی قوت کی ضرورت تھی وہ اسلام تھا۔

علامہ اقبال نے اپنے معجزانہ اشعار سے اسلامی مطالب و مفاہیم کو مسلمانوں کے دلوں میں اتار دیا۔ انھوں نے کہا:

خودی کا سر نہاں لا الہ الا اللہ
خودی ہے تیغ فساں لا الہ الا اللہ
خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
نہ ہے زماں نہ مکاں، لا الہ الا اللہ
یہ نغمہ فصل گل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں، لا الہ الا اللہ
اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکم اذاں، لا الہ الا اللہ

اقبال برہمن زادے تھے لیکن انھوں نے لا الہ الا اللہ کی ضرب سے ہندی قومیت کے بہت کو توڑ کر اسلامی قومیت کا حرم تعمیر کیا۔

علامہ اقبال نے اپنے معجزہ شعر سے اسلام کے مطالب کو مسلمانوں کے دلوں میں راسخ کر دیا۔ ایران میں اڑھائی ہزار سالہ سلطنت کو امام خمینیؒ نے ضرب شبیری سے پاش پاش کر دیا۔ یہ بہت عجیب ہے کہ ایک درویش صفت انسان جو سالہا سال سے اپنے وطن سے جلا وطن کیا گیا ہے وہ اپنے وطن کے کروڑوں انسانوں کا محبوب بنا ہوا تھا۔ اس کے فرمان پر لوگوں نے اپنی جانوں کے نذرانے پیش کیے جس کے نتیجے میں ایران شاہی زنجیروں سے آزاد ہوا۔ یہ امام خمینیؒ کا معجزہ ایمان ہے۔

علامہ اقبال اسلام کو دو ارکان سے تعبیر کرتے ہیں ایک حریت اور دوسرے مساوات کوئی مسلمان غیر الہی حکومت میں آزاد نہیں ہو سکتا۔ علامہ اقبال نے انسان کی پستی اور ذلت صرف اس بات کو ٹھہرایا کہ اس نے بادشاہوں، آمروں، سرداروں اور خود سر حاکموں کی اطاعت کی۔ اقبال نے کہا:

آدم از بی بصری بندگی آدم کرد
گوهری داشت ولی نذر قباد و جم کرد
یعنی از خوی غلامی زسگان خوار تر است
من ندیدم که سگی پیش سگی سرخم کرد

تمام انبیاء علیہم السلام کی کوششیں اس امر پر مرکوز رہیں کہ لوگوں کو نمردوں، فرعونوں، ابوجہلوں ! یزیدوں کے پنجہ استبداد سے نجات دلائی جائے۔ بقول اقبال:

موسی و فرعون و شبیر و یزید
این دو قوت از حیات آید پدید

علامہ اقبال مغربی استعمار کے خلاف چٹان کی طرح کھڑے ہو گئے ۔ انھوں نے اس کے طلسماتی حیلوں اور حربوں کو مسلمانوں کے لیے بے نقاب کیا۔

علامہ اقبال نے مغربی تہذیب کی شدت سے تردید کی اور مسلمانوں کو اس سے اجتناب کرنے کی تعلیم دی۔ اقبال کی تعلیمات کا ایک مرکزی نقطہ مغربی تہذیب کے خلاف ان کا اعلان جنگ ہے۔ کیونکہ یہ تہذیب لادین تہذیب ہے لہٰذا اس کا کوئی اخلاقی نظام نہیں اور اگر ہے تو وہ صرف یہ کہ کمزور اقوام کو ہلاک کردو یہ تہذیب نسلی، لسانی اور علاقائی تعصّبات پر مبنی ہے اس لیے عالم انسانی کے لیے بالعموم اور عالم اسلامی کے لیے بالخصوص نہایت خطرناک ہے۔

مسلمان حکمرانوں میں سے سب سے پہلے اتاترک نے مغربی تہذیب کے لیے اپنے ملک کے دروازے کھولے۔ اس کی تقلید میں رضا شاہ پہلوی نے بھی مغربی تہذیب و تمدن کو اپنایا اور اس کے بیٹے رضا شاہ نے ایران کو مغربی تہذیب کا گہوارہ بنانے کے لیے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔ امام خمینی رحمہ اللہ اور علامہ اقبال دونوں عظیم مسلمان رہنماؤں نے جن کا اول و آخر نصب العین اسلام تھا مغرب کی لامذہب تہذیب کی سخت مخالفت کی۔ علامہ نے اتاترک اور رضا شاہ پہلوی کے اس رجحان کو غیر مشرقی یعنی غیر دینی رجحان قرار دیا اور دونوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا:

نہ مصطفیٰ نہ رضا شاہ میں نمود اس کی
کہ روح شرق بدن کی تلاش میں ہے ابھی

ایران کے حوالے سے اگر امام خمینی رحمہ اللہ وروح مشرق سے تعبیر کیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ کیوں کہ انھوں نے ایران سے مغربی تہذیب کے طلسم کو سختی سے توڑنے اور روح مشرق یعنی مذہبی قوت کو مستحکم کرنے کی کوشش کی۔ پہلوی دور کے ایران میں شاہ پرستوں، قوم پرستوں افسانہ نویسوں، اکثر شاعروں اور مغرب کے کاسہ لیسوں نے تحقیر عرب اور درپردہ تنقید اسلام کے دفتر کھول رکھے تھے۔ تمام ذرائع ابلاغ ایسے ہی پست مقاصد کے لیے وقف تھے۔ جہاں مغربی طاقتیں اسلام کی محویت کے لیے کوشاں تھیں وہاں شاہی گماشتے بھی بڑھ چڑھ کر یہ خدمت انجام دیتے تھے۔ اسلامی حقائق کی برملا تضحیک کی جاتی اور ایران قدیم

کے افسانے دہرائے جاتے تھے۔ علامہ اقبال نے اس بیہودہ رجحان کے بارے میں کہا:

کـار آن وا رفـتـه مـلـک و نسب
ذکـر شـاپـور اسـت و تحـقـیر عـرب
روزگـار او تـهـی از واردات
از قـبـور کـهـنـه مـی جـویـد حیات
با وطـن پیوست و از خـود در گذشت
دل بـه رستـم داد و از حیـدر گذشت

رضا شاہ پہلوی نے اڑھائی ہزار سالہ سلطنتی جشن غیر معمولی شان و شوکت سے تخت جمشید کے کھنڈروں اور کوروش و داریوش کی قبور کہنہ کے جوار میں منعقد کیا اور کہا کہ:

" کوروش تو بخواب کہ مابیداریم "

شاہ نے اس منحوس موقع پر سنہ ہجری کو ختم کر دیا اور اہل ایران کے لیے سنہ شاھنشاہی کے رائج کرنے کا اعلان کیا۔ یہ خسرو پرویز جیسا عمل تھا جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نامہ مبارک چاک کر دیا تھا۔ اللہ تعالی نے تھوڑے ہی عرصہ میں اس کی سلطنت کو چاک در چاک فرمادیا۔ حضرت مولانا رومی نے کیا خوب فرمایا کہ بادشاہوں کے نام سکوں سے اکھاڑ دیئے جاتے ہیں لیکن نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسم گرامی کا سکہ قیامت تک چلتا رہے گا:

ازدرهـا نـام شـاهـان برکـنـنـد
نـام احـمـد تـا قـیـامـت مـی زنـنـد

باطل قوتیں تو اسلام کے خلاف کام کرتی ہیں اور کام کرتی رہیں گی تعجب کی بات یہ ہے کہ بعض مسلمان بھی ان کے ہمنوا ہو کر اسلام کے خلاف ہرزہ سرائی کرنے لگتے ہیں۔

علامہ اقبال کو اسلام کے حوالے سے تمام مسلمان ممالک عزیز تھے لیکن ایران کی طرف ان کی توجہ غیر معمولی تھی۔ اس کی ایک وجہ تو ایران کی وہ دینی، اخلاقی، عرفانی علمی اور تمدنی خدمات ہیں جو اس نے اسلام کے لیے انجام دیں، دوسری وجہ وہ اسلامی تہذیب کی اقدار ہیں جن کے غلبے سے برصغیر میں مسلمانوں نے صدیوں تک حکومت کی اور اس کے افق سے خود علامہ اقبال جیسے روشن ستارے کا طلوع ہوا۔ اقبال نے میونخ یونیورسٹی میں جو پی ایچ ڈی کا مقالہ پیش کیا وہ بھی فلسفہ ایران سے متعلق تھا۔

اس کے بعد انھوں نے فارسی شعر کے ایسے مجموعے پیش کیے کہ جن کے تعارف پر اس وقت سینکڑوں کتابیں لکھی جارہی ہیں ۔انھوں نے فارسی کے متعلق کہا:

فارسی از رفعت اندیشه ام
در خورد با فطرت اندیشه ام
گرچه هندی در عذوبت شکر است
طرز گفتار دری شیرینتر است

علامہ اقبال نے اپنے نور بصیرت سے یہ دیکھ لیا تھا کہ عنقریب ایران میں سلطنتی نظام ختم ہو جائے گا اور شاہ جم جاہ رخصت ہو جائے گا اور ایران باقی رہے گا۔

هم را از شهان پاینده تر دان
نمی بینی که ایران ماند و جم رفت

علامہ اقبال خود تو ابھی فرنگی قید خانے میں تھے لیکن بہار آزادی کی نوید سنارہے تھے:

قافله بهار را طائر پیش رس نگر
آن که به خلوت قفس گفت پیام خویش را

انھوں نے بہت عرصہ پیشتر ایران کی آزادی کی نوید سنائی اور ایک قائد کے ظہور کی اطلاع دی جو اڑھائی ہزار سالہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے والا تھا۔ علامہ اقبال نے کہا:

می رسد مردی که زنجیر غلامان بشکند
دیده ام از روزن دیوار زندان شما

علامہ اقبال نے اپنے روح پرور کلام کا اظہار فارسی اور اردو شعر میں کیا۔ ان کے فارسی شعر کے اسلوب کو اسلوب عراقی یا سبک عراقی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ عموماً ان عرفاء اور شعراء کا اسلوب سخن ہے جو اسرار کو ہویدا نہیں کرتے تھے۔ اقبال بھی انہی کے ہیرو تھے چنانچہ انھوں نے کہا:

پرده برگیرم و در پرده سخن می گویم

اس اسلوب کے نمائندہ شاعر رومی، حافظ اور بعد کے اکثر شعراء ہیں ۔امام خمینیؒ کا مجموعہ شعر بھی ان کی وفات کے بعد

شائع ہوا ہے۔ ان کے اشعار بھی جو زیادہ تر غزل میں ہیں اسلوب عراقی میں کہے گئے ہیں یعنی بات کو اشارات، کنایات اور مبہم استعارات کے پردے میں بیان کیا گیا ہے۔ امام خمینیؒ کی غزلیات میں زیادہ تر وہ اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں جو کلام حافظ میں عام ملتی ہیں یعنی ساقی، مے، میخانہ، مغ، پیر مغاں، پیر میخانہ، ساغر، شراب، رند، مستی، گوشہ گیری اور بیخودی وغیرہ

امام خمینیؒ کی بعض غزلوں میں الفاظ کے اعتبار سے حافظ کی غزل کا انعکاس دکھائی دیتا ہے۔ علامہ اقبال بھی حافظ کی غزل گوئی کے فنی محاسن کے بہت معترف اور مداح تھے۔ البتہ معنوی طور پر اقبال اور حافظ میں بہت فرق و فاصلہ ہے۔

امام خمینیؒ اور علامہ اقبال کے بعض فکری بیانات میں مشابہت اور مطابقت پائی جاتی ہے۔ امام خمینیؒ کے مندرجہ ذیل شعر میں امید اور صبح فردا کی نوید ملتی ہے۔

وعده دیدار نزدیک است یاران مژده باد
روز وصلش می رسد ایام هجران می رود

علامہ اقبال کا یہ اردو شعر :

شب گریزاں ہو گی آخر جلوہ خورشید سے
چمن معمور ہوگا نغمہ توحید سے یہ

علامہ اقبال نے ایک بیان میں کہا: ” جو آدمی اپنے پاؤں پر کھڑا نہیں ہو سکتا اسے زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں ۔ “

امام خمینیؒ نے کہا: اے دنیا کے مسلمانو! اپنے پاؤں پر کھڑے ہو جاؤ اور اپنی تقدیر خود اپنے ہاتھ میں لو۔ کب تک بیٹھے رہو گے کہ تمہاری تقدیر کا فیصلہ واشنگٹن اور ماسکو میں ہو۔

علامہ اقبال نے کہا:

خدا آن ملتی را سروری داد
که تقدیرش بدست خویش بنوشت
به آن ملت سرو کاری ندارد
که دهقانش برای دیگران کشت

امام خمینیؒ دین و سیاست کو ایک ہی حقیقت کے دو نام قرار دیتے تھے اور فی الواقع اسلام وہ دین ہے جو مکمل ضابطہ حیات ہونے کی بناء پر زندگی کے تمام شعبوں پر محیط ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ : "الیوم اکملت لکم دینکم اس کے

معنی یہ ہیں کہ اسلام زندگی کو ایک اکائی قرار دیتے ہوئے اس کے تمام معاملات کی رہنمائی کرتا ہے۔ علامہ اقبال نے اس موضوع پر بہت لکھا ہے۔ ان کے نزدیک اگر سیاست سے دین کو خارج کر دیا جائے تو یہ ایک ظالمانہ معاشرہ کی اساس بنتا ہے: علامہ کا یہ مشہور مصرع:

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

علامہ اقبال مدرسہ و خانقاہ کی روایتی زندگی سے بیزار تھے۔ ان اداروں میں کوئی ولولہ اور خدمت کا کوئی جذبہ بہت کم دکھائی دیتا ہے۔ اقبال نے کہا:

اٹھا میں مدرسہ و خانقاہ سے غمناک
نہ زندگی نہ محبت نہ معرفت نہ نگاہ

امام میں بھی ایسے ہی خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں:

در میخانہ گشایید بہ رویم شب و روز
کہ من از مسجد و از مدرسہ بیزار شدم

علامہ اقبال کا کلام سراسر بیداری، عزت نفس اور خودی کی انا الحق کا پیغام ہے۔ یہ کلام ہنگامہ خیز اور انقلاب انگیز ہے۔ چنانچہ جاوید نامہ میں منصور حلاج اقبال سے کہتا ہے کہ جس ہنگامے کو میں نے برپا کر کے جان دی تھی تو بھی آج وہی کر رہا ہے لہٰذا ذرا احتیاط رکھنی چاہیے:

آنچہ من کردم تو ہم کردی بترس
محشری بر مردہ آوری بترس

ایسی ہی کیفیت کا اظہار امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے شعر میں کرتے ہوئے کہتے ہیں:

فارغ از خود شدم و کوس انا الحق بزدم
ہمچو منصور خریدار سردار شدم

علامہ اقبال اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بادشاہوں کی درگاہوں کا رخ نہ کیا بلکہ ان استحصالی قوتوں کو ختم کرنے کے لیے کوشاں رہے۔ ان کی یہی بے نیازی ان کی قوموں کی تقدیر سنوار گئی۔

اقبال نے کہا:

قوموں کی تقدیر وہ مرد درویش
جس نے نہ ڈھونڈی سلطان کی درگاہ

دراصل بے نیاز درویش خود بادشاہ ہوتا ہے۔ علامہ اقبال کے وسائل کیا تھے اور امام خمینیؒ کے وسائل کیا تھے ایک عزم، قومی خدمت کے لیے ایک مخلصانہ جذبہ۔

۱۹۱۷ء میں روس میں سرخ انقلاب آیا جس کا ایک پہلو سرمایہ داری کے خلاف جنگ تھا۔ کیونکہ سرمایہ داری نے کمزور اقوام کو تباہ و برباد کرنے میں بہت کام کیا ہے۔ اقبال نے کمیونزم میں مساوات کے عنصر کی تعریف کی۔ چنانچہ انھوں نے جمال الدین افغانی اسدآبادی کے ذریعے روس کو قبول اسلام کی دعوت دی اور کہا:

داستان کہنہ شستی باب باب
فکر را روشن کن از ام الکتاب
چیست قرآن؟ خواجہ را پیغام مرگ
دستگیر بندہ بی ساز و برگ

امام خمینیؒ نے بھی معاصر روسی صدر گورباچوف کو قبول اسلام کی دعوت دی کیونکہ اسلام ہی وہ واحد دین ہے جو انسان کو نسلی، لسانی اور علاقائی امتیازات سے پاک کرتا ہے اور تمام بنی آدم کو ایک دوسرے کے اعضاء قرار دیتا ہے۔ علامہ اقبال اور امام خمینیؒ دونوں عظیم اسلامی رہنما ہیں۔

علامہ اقبال اور امام خمینیؒ عالم اسلام کے استحکام کے لیے وحدت اسلامی کے پرجوش مبلغ رہے۔ مسلمانوں کی کمزوری کا اہم سبب مختلف فرقوں میں ان کی تقسیم در تقسیم ہے۔ مخالف قوتیں متحد ہیں اور مسلمان متفرق ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

واعتصموا بحبل الله جميعاً ولا تفرقوا

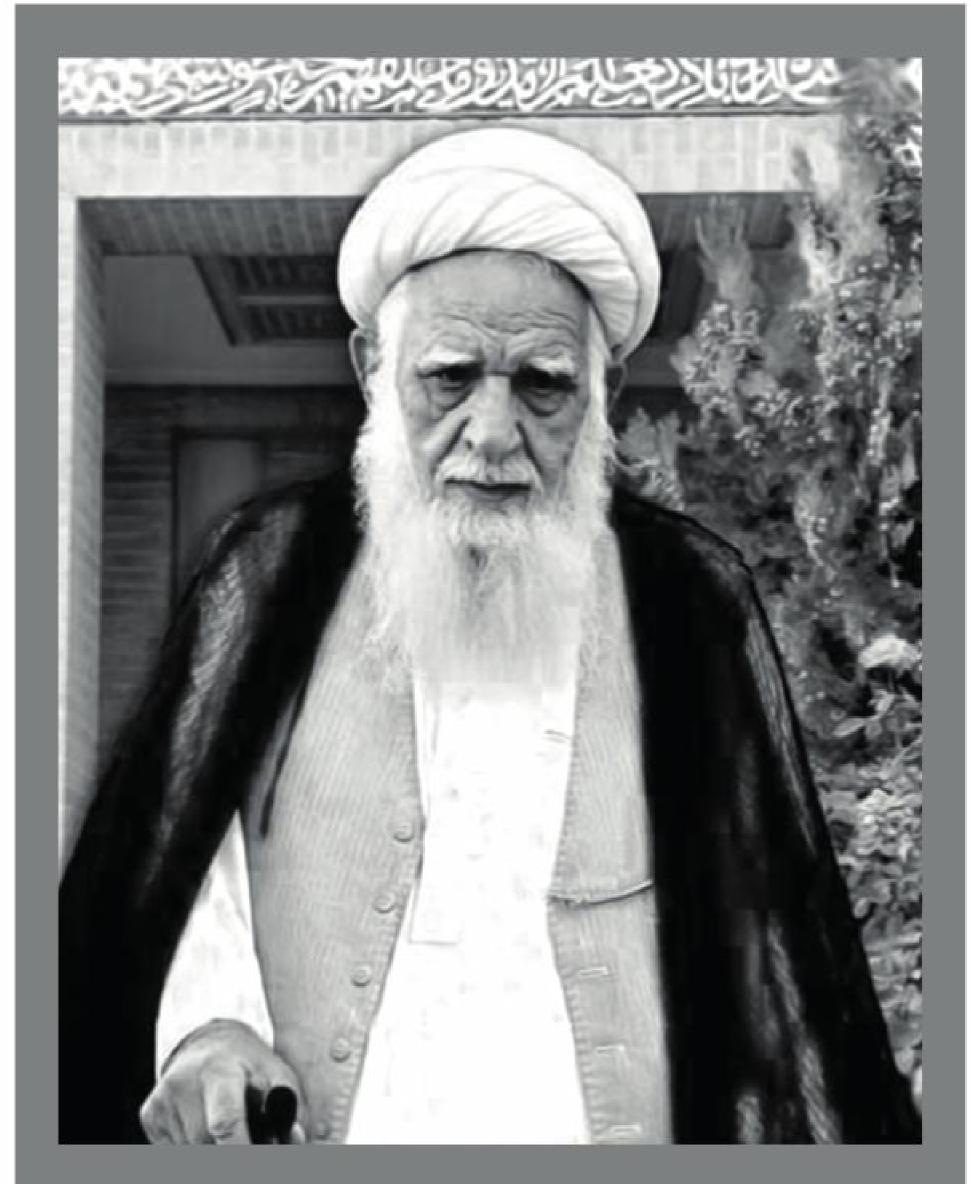
امام خمینیؒ کے بیانات وحدت اسلامی کے آئینہ دار ہیں۔

علامہ اقبال نے وحدت اسلامی کی ضرورت بیان کرتے ہوئے کہا:

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاک کاشغر

دونوں علامہ اقبال اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اعلیٰ اہداف کے حصول میں کامیاب ہوئے۔ علامہ اقبال کی کوشش سے بر صغیر میں اسلامی جمہوریہ پاکستان کی تشکیل ہوئی اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی مساعی جمیلہ کے نتیجہ میں اسلامی جمہوریہ ایران معرض موجود میں آیا۔ یہ شخصیات عصر حاضر میں اسلامی تہذیب کی انقلابی روح کا واضح اظہار ہیں۔[1]

۱۔ عرفان وروحانیت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں / سیمینار ۲۰۰۶ سے خطاب



حضرت امام خمینی مسلم اکابرین اور دانشوروں میں بے مثال ہیں۔ وہ ایک ایسے متدین شخص تھے جو مستحبات اور واجبات پر عمل پیرا تھے، اور دین اسلام کے تمام چھوٹے بڑے مسائل کے پابند تھے۔ وہ ایک بہادر اور نڈر انسان تھے، جن کی نظر میں وقت کے جابر حکمران حقیر و ذلیل تھے، اور وہ خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے تھے۔ وہ جو کچھ کہتے تھے، اس پر پختہ یقین رکھتے تھے اور اس پر سختی سے کاربند تھے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نہیں مرے ہیں اور نہ ہی مریں گے، اور ان کی یاد روحانیت و تقویٰ کی دنیا میں ہمیشہ باقی رہے گی۔ (آیت اللہ آصف محسنی افغانستان)

احیاء قرآن کریم میں امام خمینیؒ کا کردار

ڈاکٹر سید علی عباس نقوی

صدر نشین البصیرہ اسلام آباد

احیائے قرآن کریم میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا کردار

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت اور افکار کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ انھیں اسلام کا بطلِ جلیل قرار دیا گیا ہے۔ وہ ایک عبقری شخصیت کے طور پر یاد رکھے جائیں گے۔ وہ عالم و عارف، فقیہ و مفکر، مجاہد سیاستدان، عالمی سیاست پر گہری نظر رکھنے والے اور عابد و زاہد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں مشرق و مغرب میں اپنوں اور غیروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اب بھی یوں لگتا ہے کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کو سمجھنے کا عمل جاری و ساری ہے۔ یہ مقالہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی قرآن کریم سے عمیق وابستگی اور احیائے قرآن کریم میں ان کے کلیدی کردار کی تفہیم پر مبنی ایک تحقیقی کاوش ہے۔ اس مقالے میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے کس طرح قرآن کریم کو نہ صرف ایک مقدس کتاب کے طور پر سمجھا بلکہ اسے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں ایک فعال اور انقلابی قوت کے طور پر پیش کیا۔ مقالہ کا مقصد عصر حاضر میں قرآن فہمی کے لیے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت افروز آراء سے رہنمائی حاصل کرنا اور احیائے قرآن کریم میں ان کے اہم کردار کی معنویت کو اجاگر کرنا ہے۔ (مولف)

❋ تعارف:

امام خمینیؒ کی شخصیت اور افکار کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے اور لکھا جاتا رہے گا۔ انھیں اسلام کا بطلِ جلیل قرار دیا گیا ہے۔ وہ ایک عبقری شخصیت کے طور پر یاد رکھے جائیں گے۔ وہ عالم و عارف، فقیہ و مفکر، مجاہد سیاستدان، عالمی سیاست پر گہری نظر رکھنے والے اور عابد وزاہد کے طور پر جانے جاتے ہیں۔ ان کے بارے میں مشرق و مغرب میں اپنوں اور غیروں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اب بھی یوں لگتا ہے کہ امام خمینیؒ کو سمجھنے کا عمل جاری وساری ہے۔

یہ مقالہ امام خمینیؒ کی قرآن کریم سے عمیق وابستگی اور احیائے قرآن کریم میں ان کے کلیدی کردار کی تفہیم پر مبنی ایک تحقیقی کاوش ہے۔ اس مقالے میں یہ جاننے کی کوشش کی گئی ہے کہ امام خمینیؒ نے کس طرح قرآن کریم کو نہ صرف ایک مقدس کتاب کے طور پر سمجھا بلکہ اسے مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگیوں میں ایک فعال اور انقلابی قوت کے طور پر پیش کیا۔ مقالہ کا مقصد عصر حاضر میں قرآن فہمی کے لیے امام خمینیؒ کی بصیرت افروز آراء سے رہنمائی حاصل کرنا اور احیائے قرآن کریم میں ان کے اہم کردار کی معنویت کو اجاگر کرنا ہے۔

کلیدی الفاظ:

احیاء قرآن کریم، امام خمینیؒ، انقلاب اسلامی ایران، معاشرہ سازی

مقدمہ:

قرآن کریم وہ آسمانی کتاب ہے جو ربّ العالمین کی طرف سے انسانیت کے لیے نازل کی گئی، تاکہ وہ ہدایت کی راہوں پر گامزن ہو سکے۔ یہ کتاب ہر زمانے اور ہر انسان کے لیے مکمل ضابطۂ حیات ہے، جو فرد، معاشرے، ریاست اور تمدن کو زندگی کے ہر شعبے میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ اسلامی تہذیب کی بنیاد اسی الٰہی کتاب پر استوار ہے اور مسلم امّت کی تمام تر دینی، فکری اور اخلاقی بیداری اسی سے وابستہ رہی ہے۔

اسلامی تاریخ میں ہر دور میں علما، مفسرین، فقہا اور عرفا نے قرآن کی روشنی میں امت کی رہنمائی کی۔ ہر عہد میں مختلف مناہجِ تفسیر سامنے آئے: لغوی، فقہی، کلامی، عرفانی، اخلاقی اور اجتماعی لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امتِ مسلمہ میں قرآن فہمی کا شعبہ کمزور ہوتا چلا گیا اور قرآن کو صرف تلاوت یا تعویذ کے درجے پر محدود کر دیا گیا۔ نتیجتاً مسلمانوں کی اجتماعی زندگی میں قرآن کی عملی موجودگی کمزور ہو گئی۔

انیسویں اور بیسویں صدی میں جب امت مسلمہ استعمار، فکری زوال، اور سیاسی غلامی کا شکار ہو گئی، تو تحریک رجوع الی القرآن نے ایک نئی صورت میں جنم لیا۔ اس تحریک کا بنیادی مقصد مسلمانوں کو قرآن کی اصل تعلیمات کی طرف لوٹانا، اسے فرد و معاشرے کی عملی زندگی کا محور بنانا، اور قرآن کو دوبارہ مسلمانوں کی دینی، علمی، سیاسی اور تمدنی بیداری کا سرچشمہ بنانا تھا۔

اس تحریک کے اولین فکری معماروں میں سید جمال الدین افغانی (۱۸۳۸–۱۸۹۷) کا نام نمایاں ہے۔ وہ ایک مصلح اور مفکر تھے جنھوں نے قرآن کی روشنی میں امت کو وحدت، بیداری اور استعمار سے نجات کا پیغام دیا۔ ان کا اصرار تھا کہ مسلمانوں کی پستی کی اصل وجہ قرآن سے دوری ہے۔ انھوں نے قرآن کو صرف عبادت کی کتاب نہیں بلکہ فکری، سائنسی، اور سیاسی رہنمائی کا منبع قرار دیا۔

اسی تحریک کو اگلی فکری سطح پر علامہ محمد اقبال (۱۸۷۷–۱۹۳۸) نے آگے بڑھایا۔ اقبال نے اپنی شاعری اور فلسفے میں مسلمانوں کو خودی، عمل، اور روحانی بیداری کی دعوت دی۔ انھوں نے قرآن کو "زندہ جاوید کتاب" قرار دیا جو ہر دور کے انسان کو مخاطب کرتی ہے۔ ان کے نزدیک قرآن نہ صرف عبادات کی ہدایت دیتا ہے بلکہ کائنات کے اسرار، انسانی خودی کی بالیدگی، اور اجتماعی نظامِ عدل کی تشکیل کا جامع نظریہ بھی فراہم کرتا ہے۔

آیت اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ (۱۹۰۲–۱۹۸۹) اس تحریک کے عملی مظہر کے طور پر ابھرے۔ انھوں نے قرآن کو نہ صرف

فکر و معرفت کی بنیاد بنایا بلکہ ایک مکمل انقلابی تحریک کی اساس بھی قرار دیا۔ ان کے نزدیک قرآن ایک زندہ اور جاوداں کتاب ہے جو ہر دور کے انسان کو فکری، اخلاقی اور سیاسی رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ انھوں نے قرآن کو عوامی سطح پر زندہ کیا، اور اس کے عرفانی واجتماعی پہلوؤں کو اپنی تعلیمات اور عملی تحریک کے ذریعے اجاگر کیا۔

امام خمینیؒ نے قرآن کو انسان سازی، اصلاح معاشرہ، حکومتِ الٰہی اور عالمی عدل کے قیام کا منبع قرار دیا۔ ان کے نزدیک قرآن محض تلاوت یا حفظ کی کتاب نہیں بلکہ ایک "کتابِ انقلاب" ہے۔ انھوں نے بارہا کہا کہ اگر مسلمان قرآن کی طرف سنجیدگی سے رجوع کریں، تو نہ صرف ان کی دنیا سنور سکتی ہے بلکہ وہ طاغوتی نظاموں کے خلاف ایک مضبوط محاذ بھی قائم کر سکتے ہیں۔

ان تینوں عظیم شخصیات جمال الدین افغانی، علامہ اقبال، اور امام خمینیؒ کی فکری جدوجہد میں ایک قدر مشترک یہ تھی کہ انھوں نے قرآن کو امت کی فکری، روحانی، سیاسی اور تہذیبی زندگی کا مرکز بنانے پر زور دیا۔ ان کے افکار نے اسلامی دنیا میں قرآنی بیداری اور دینی تجدید کی نئی لہریں پیدا کیں، جو آج بھی مسلمانوں کے لیے روشنی کا مینار ہیں۔

❋ قرآن سے امام خمینیؒ کا والہانہ لگاؤ

امام خمینیؒ کی ذاتِ اقدس قرآن کریم سے والہانہ عشق اور گہری وابستگی کا مجسم نمونہ تھی۔ ان کی زندگی کا ہر لمحہ اس مقدس کتاب کی تعلیمات سے روشن اور ان کا قلب مبارک اس کی آیات کی تلاوت و تدبر سے معمور رہتا تھا۔ امام راحل نے اپنے روزانہ کے کاموں کے لیے ایک باقاعدہ نظام الاوقات بنا رکھا تھا، جس میں ان کے دن بھر کے تمام امور درج ہوتے تھے۔ اس نظم و ضبط کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہے کہ ان کے شب و روز کا کوئی بھی لمحہ ایسا نہیں تھا جس کا حساب نہ ہو اور وہ بے کار گزرا ہو۔

تلاوت قرآن کریم

کسی بھی کتاب کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کا اولین مرحلہ اس کا مطالعہ اور قرات ہے۔ خداوند متعال نے قرآن کریم کی تلاوت کی بے حد تاکید فرمائی ہے اور اس کے مستحب ہونے کے بارے میں کثیر روایات بھی وارد ہوئی ہیں۔ امام خمینیؒ قرآن حکیم سے اس قدر شغف رکھتے تھے کہ ان کی روزمرہ کی زندگی میں اس کی تلاوت کو ایک خاص اہمیت حاصل تھی۔ سید احمد خمینی کے مطابق، وہ نجف اشرف میں ماہ رمضان میں ہر تین دن میں ایک قرآن ختم کرتے تھے، جبکہ تہران کے جماران میں اپنی ضعیفی کے باوجود ہر دس دن میں ایک قرآن پاک کا ختم کرتے تھے۔ قرآن مجید سے ان کی اس بے پناہ مانوسیت کا یہ عالم تھا کہ وہ گھنٹوں

ایک ہی آیت پر غور و فکر کرتے رہتے تھے۔[۱]

ان کے قریبی افراد کا بیان ہے کہ امام دن بھر میں متعدد بار قرآن کی تلاوت کرتے تھے؛ نماز صبح کے بعد، نماز ظہر و عصر سے پہلے، نماز مغرب و عشاء سے پہلے اور دیگر تمام فرصت کے لمحات میں وہ اس مستحب عمل کے پابند تھے۔ جب بھی کوئی ان کی خدمت میں حاضر ہوتا، اکثر انھیں تلاوت قرآن میں مشغول پاتا تھا۔[۲] عام دنوں میں بھی ان کا معمول تھا کہ وہ روزانہ کم از کم ایک پارہ تلاوت کرتے تھے اور رمضان المبارک میں یہ مقدار دو پاروں تک پہنچ جاتی تھی۔ قیادت، تدریس، تصنیف اور ایک انقلاب کی رہنمائی جیسی گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس معمول پر ان کا استمرار اور تسلسل ان کے ایمان محکم اور قرآن سے بے پناہ محبت کا واضح ثبوت ہے۔

پیرس میں قیام کے دوران بھی قرآن سے ان کا یہ والہانہ تعلق برقرار رہا۔ صحافیوں کے انٹرویو کے لیے کیمرے وغیرہ ٹھیک کرنے میں لگنے والے مختصر وقت میں بھی وہ تلاوت قرآن شروع کر دیتے تھے اور یہ کہہ کر کہ کیا اپنی عمر کے یہ چند لمحات ضائع کر دوں، تلاوت جاری رکھتے تھے۔ [۳]

ان کا قرآن سے یہ گہرا تعلق اس قدر مضبوط تھا کہ جب نجف میں ان کی آنکھوں میں تکلیف ہوئی اور ڈاکٹر نے انھیں تلاوت سے منع کیا تو انھوں نے فرمایا کہ ان آنکھوں کا فائدہ ہی کیا اگر وہ قرآن نہ پڑھ سکیں۔[۴]

یقیناً، امام کی تلاوتِ قرآن محض روخوانی تک محدود نہ تھی، بلکہ تدبر و تفکر پر مبنی ہوتی تھی۔

حجۃ الاسلام و المسلمین رسولی محلاتی بیان کرتے ہیں:

> امام اپنی عمر کے اوائل سے تاحال روزانہ ایک معین مقدار میں قرآن کریم کی تلاوت فرماتے ہیں، اور یہ ان کے روزمرہ کے معمولات میں سے ایک ہے جس کے لیے انھوں نے اپنی زندگی کے اسی دقیق نظم وضبط کے تحت ایک وقت مخصوص کر رکھا ہے۔ اس مخصوص وقت میں کوئی شخص ان کے پاس نہیں جاتا اور نہ ہی وہ کسی کے سوال کا جواب دیتے ہیں، بلکہ مکمل دل و جان سے قرآن کریم کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور اس کی آیات اور

۱۔ http://ur.imam-khomeini.ir/ur/n۱۷۷۵۳ (آئین انقلاب اسلامی ۱۴۹)

۲۔ مصطفیٰ وجدانی، سرگذشت ھای ویژہ از زندگی امام خمینیؒ، ج ۲، ص ۵۲

۳۔ مجلّہ حوزہ، شمارہ ۹۶، ص ۲۰۸

۴۔ مجلّہ حضور، شمارہ ۳، فاطمہ طباطبائی

معانی پر غور و فکر کرتے ہیں۔[1]

تلاوتِ قرآن کے علاوہ، قرآن کریم کے ساتھ مصاحبت بھی ان کی خاص دلچسپی کا محور تھی، اور ہمیشہ قرآن ان کی دسترس کی قریب ترین کتب میں شامل رہتا تھا۔ ان کے ایک قریبی فرد بیان کرتے ہیں:

> امام کو قرآن کریم سے خصوصی لگاؤ تھا۔ وہ قرآن کے ساتھ گہری انسیت رکھتے تھے؛ یعنی قرآن کے ساتھ مانوس تھے اور ہمیشہ ایک قرآن ان کے نزدیک موجود رہتا تھا۔ قرآن کے ساتھ یہ انس اس قدر زیادہ تھا کہ تہران پر بمباری اور میزائل حملوں کے دوران، جب حفاظتی نقطہ نظر سے، انھوں نے حکم دیا کہ ان کے سر کے اوپر طاقچے پر رکھی ہوئی کتابیں ہٹا دی جائیں تاکہ زلزلے کے اثر سے وہ ان پر نہ گریں، تو امام نے قرآن اور مفاتیح کو ہٹانے کی اجازت نہیں دی؛ کیونکہ وہ مسلسل ان تک رسائی چاہتے تھے۔[2]

احترام قرآن کریم

قرآن کریم کی عظمت کا اعتراف امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے قلب و روح میں راسخ تھا۔ وہ اسے خداوند عالم کی عظمت کا سب سے نمایاں مظہر سمجھتے تھے۔ ظاہری و باطنی دونوں اعتبار سے وہ قرآن کریم کا بے حد احترام کرتے تھے۔ ان کے نزدیک قرآن کریم وہ عظیم کتاب تھی جس کی عظمت کا سرچشمہ خود خداوند عالم کی عظمت ہے۔ ایک مرتبہ ان کے پاس قرآن کریم لے جاتے ہوئے کسی نے نادانستہ طور پر اسے دوسری چیزوں کے ساتھ فرش پر رکھ دیا تو امام نے فوراً فرمایا: "قرآن کریم فرش پر نہ رکھو!" اور فوراً اسے اٹھا کر میز پر رکھ دیا۔[3]

قرآن کریم کے متعلق نصیحتیں

حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کی تلاوت، اس میں تدبر و تفکر، اس پر عمل پیرا ہونے اور اس کے احیاء کے موضوعات پر متعدد نصیحتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ان تمام ارشادات کا احاطہ کرنے کے لیے ایک مستقل موقع درکار ہے لہٰذا یہاں محض چند اہم نکات پیش کیے جا رہے ہیں۔ آپ نے اپنی بہو خانم فاطمہ طباطبائی کے نام ایک خط میں فرمایا:

۱۔ برداشت ہایی از سیرہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، ج ۳، ص ۴

۲۔ حوالہ مذکور، جلد ۳، صفحہ ۹

۳۔ سرگذشت ہای ویژہ از زندگی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، ج ۵، ص ۶۹

قرآن کریم میں، جو فیض الٰہی کا سرچشمہ ہے، تدبر کرو، اگرچہ محض اس کا پڑھنا، جو محبوب کا خط ہے سننے والے کے لیے بھی خوشگوار اثرات رکھتا ہے، لیکن اس میں تدبر انسان کو بلند و بالا مقامات کی طرف ہدایت کرتا ہے۔ 'اَفَلَا یَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا' (کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے یا ان کے دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟) اور جب تک یہ قفل اور بند نہ کھل جائیں اور ٹوٹ نہ جائیں، تدبر سے وہ نتیجہ حاصل نہیں ہوگا جو مقصود ہے۔ خداوند متعال ایک عظیم قسم کے بعد فرماتے ہیں: إنّه لَقرآنٌ کَریمٌ * فی کتابٍ مکنونٍ لا یمسّه إلا المُطهّرون (بے شک یہ ایک بزرگ قرآن ہے، ایک محفوظ کتاب میں، جسے پاکیزہ لوگوں کے سوا کوئی نہیں چھو سکتا) اور ان کے سردار وہ ہیں جن کی شان میں آیت تطہیر نازل ہوئی ہے، تم بھی مایوس نہ ہو، کیونکہ مایوسی بڑے قفلوں میں سے ہے۔ جہاں تک ممکن ہو پردوں کو ہٹانے اور قفلوں کو توڑنے کی کوشش کرو تاکہ صاف پانی اور نور کے سرچشمے تک پہنچ سکو۔ جب تک جوانی تمھارے شامل حال ہے عمل کرنے، قلب کی تہذیب کرنے، قفلوں کو توڑنے اور پردوں کو ہٹانے کی کوشش کرو، کیونکہ ہزاروں جوان جو عالم ملکوت کے قریب تر ہیں کامیاب ہو جاتے ہیں اور ایک بوڑھا کامیاب نہیں ہوتا... اس حبیب اور محبوب کے درمیان مکالمے اور عاشق و معشوق کے درمیان مناجات میں ایسے اسرار ہیں جن تک اس کے اور اس کے حبیب کے سوا کسی کی رسائی نہیں اور رسائی ممکن بھی نہیں۔[1]

امام خمینیؒ صرف خود ہی تلاوت قرآن سے مانوس نہیں تھے، بلکہ دوسروں کو بھی ہمیشہ غور و فکر کے ساتھ تلاوت کی تاکید کرتے رہتے تھے، یہاں تک کہ قرآن سے ظاہری رابطہ کو بھی مفید اور موثر جانتے تھے۔ اپنے بیٹے سید احمد خمینی کے نام ایک خط میں انھوں نے تحریر فرمایا:

صرف قرات کے ہی ذریعہ سہی لیکن معرفت کی اس عظیم کتاب، قرآن سے مانوس رہو اور اسے اپنے محبوب تک پہنچنے کا ایک راستہ قرار دو۔ یہ ہرگز نہ سوچو کہ بغیر معرفت کے تلاوت کا کوئی اثر نہیں ہے۔ یہ شیطان کا وسوسہ ہے۔ محبوب کی جانب سے یہ کتاب تمھارے اور سب کے لیے نامہ کی حیثیت رکھتی ہے اور نامہ محبوب، محبوب ہوتا ہے اگرچہ عاشق اس کا مضمون نہ سمجھ سکے۔ اس قصد کے ساتھ قرات کرنے سے محبوب کی محبت کہ جو ہمارا مقصود ہے، تمھارے شامل حال ہو جائے اور تمھارا ہاتھ تھام لے۔[2]

۱۔ صحیفہ امام، ج۱۸، ص۴۴۶ ۔ ۴۴۷

۲۔ مجلّہ حوزہ، شمارہ ۹۶، ص۲۲۵۔ (قرآن کتاب ہدایت، شمارہ ۱۲۴)

حضرت امام خمینیؒ مسلمانوں کے ماضی کے عروج وارتقاء کو قرآن کریم پر عمل پیرا ہونے کا نتیجہ قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

> قرآن کی پناہ میں ہی اسلام نے نصف صدی کے اندر اس وقت کی تمام سلطنتوں پر غلبہ حاصل کیا اور جب تک ہم قرآن کی پناہ میں رہیں گے، اپنے دشمنوں پر غالب رہیں گے اور اگر خدانخواستہ اسلام کے دشمنوں نے ہمیں اسلام اور قرآن سے جدا کر دیا، تو ہمیں بیٹھ کر دیکھنا پڑے گا کہ ہم ذلت، رسوائی اور غلامی کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ استقلال اور آزادی قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی میں مضمر ہے۔[1]

امام خمینیؒ کی نظر میں قرآن کا احیاء اور اسے مہجوریت سے نکالنا، دنیا میں مسلمانوں کے مسائل پر غلبہ پانے اور ان کے بلند مقام کے حصول کا واحد راستہ ہے۔ لہٰذا، ہمیں کوشش کرنی چاہیے کہ قرآن کے چہرے سے گرد وغبار صاف کریں۔ آپ فرماتے ہیں:

> اسلام مسلمانوں کے لیے سب کچھ لایا ہے، سب کچھ۔ قرآن میں سب کچھ موجود ہے، لیکن افسوس کے ساتھ ہم نے اس سے استفادہ نہیں کیا اور مسلمانوں نے اسے مہجور کر دیا؛ یعنی جیسا کہ اس سے استفادہ کرنا چاہیے تھا، نہیں کیا۔ لوگوں کو اسلام اور قرآن کی طرف توجہ دلانی چاہیے، راغب کرنا چاہیے۔[2]

اور ایک اور مقام پر فرماتے ہیں:

> مسلمانوں کا بڑا مسئلہ یہ ہے کہ انھوں نے قرآن کریم کو ایک طرف رکھ دیا ہے اور دوسروں کے زیرِ سایہ آ گئے ہیں۔[3]

امام خمینیؒ نے اپنے سیاسی الٰہی وصیت نامے میں قرآن کے احیاء کے ضمن میں ایک اہم حقیقت بیان کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآنی حقائق زندہ و جاوید ہیں، لیکن بشر کا ادراک ان حقائق کے بارے میں مردہ ہو سکتا ہے۔[4] قرآن کو زندہ کرنے کا ایک مصداق ان کے نزدیک یہ ہے کہ اسے مردوں اور قبرستانوں سے چھٹکارا دلایا جائے۔ ان کا یہ بصیرت افروز کلام دراصل اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ قرآن کو صرف مردوں کے لیے پڑھنے یا قبرستانوں تک محدود کرنے کی بجائے، اسے زندگی کا

۱۔ صحیفہ امام، ج ۷، ص ۱۳۱

۲۔ صحیفہ امام، ج ۱۲، ص ۳۲۰

۳۔ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۲۷۵

۴۔ سیاسی الٰہی وصیت نامہ

ایک فعال ضابطہ بنانا ضروری ہے۔ ان کا ایمان تھا کہ قرآن ہی وہ واحد ذریعہ ہے جو امت مسلمہ کو موجودہ زبوں حالی سے نکال کر عزت و سربلندی کی طرف گامزن کر سکتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ امام خمینیؒ کا قرآن کریم سے والہانہ عشق ایک ایسی روشن مثال ہے جو رہتی دنیا تک ان لوگوں کے لیے مشعل راہ رہے گی جو اس مقدس کتاب سے سچا اور گہرا تعلق قائم کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی زندگی قرآن کے عشق میں گزری اور ان کا یہ عشق امت مسلمہ کے لیے ایک قیمتی ورثہ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امام خمینیؒ کی فکر اور تحریک میں قرآن ایک مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کا انقلاب اسلامی دراصل قرآن کی ان آفاقی تعلیمات کا عملی مظاہرہ تھا جن میں عدل، انصاف، آزادی، اور مظلوموں کی حمایت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے قرآن کریم کے اسی انقلابی پیغام کو عام کرنے اور اسے مسلمانوں کی زندگیوں میں نافذ کرنے کے لیے اپنی پوری زندگی وقف کر دی۔ بلاشبہ، امام خمینیؒ کا قرآن کریم سے شخصی و روحانی تعلق ایک ایسی مثال ہے جو رہتی دنیا تک مسلمانوں کے لیے مشعل راہ رہے گا۔

احیاءِ قرآن کریم میں امام خمینیؒ کا عملی کردار:

حضرت امام خمینیؒ نے نہ صرف قرآن کریم کے نظریاتی اور فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا بلکہ اس کی عملی تطبیق اور معاشرے میں اس کے نفاذ کے لیے بھی بھرپور جدوجہد کی۔ ان کا عملی کردار احیاءِ قرآن کریم کے سلسلے میں ایک روشن مثال کی حیثیت رکھتا ہے۔ ذیل میں ان کے چند اہم عملی اقدامات کا ذکر کیا جاتا ہے:

اسلامی انقلاب کی بنیاد قرآن پر رکھنا

امام خمینیؒ کی قیادت میں برپا ہونے والا اسلامی انقلاب درحقیقت قرآن کریم کی ان آفاقی تعلیمات کا عملی مظہر تھا جن میں عدل، انصاف، آزادی اور مظلوموں کی حمایت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ انھوں نے اپنی تحریک کا آغاز ہی اس عزم کے ساتھ کیا کہ ایران میں ایک ایسی اسلامی حکومت قائم کی جائے گی جو قرآن و سنت کی بنیادوں پر استوار ہوگی۔ انقلاب کی کامیابی کے بعد انھوں نے آئین کی تدوین میں بھی قرآنی اصولوں کو مقدم رکھا اور تمام قوانین کو اسلامی تعلیمات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی۔

امام خمینیؒ نے اپنے متعدد خطابات میں اس بات پر زور دیا کہ اسلامی حکومت کا مقصد قرآن و سنت کے احکامات کو نافذ کرنا

ہے۔ انھوں نے فرمایا:

> اسلامی نظامِ حکومت کی بنیاد قانونِ الٰہی پر استوار ہے، جو بالذات قرآن کریم اور سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صورت میں موجود ہے۔[1]

ایک اور مقام پر انھوں نے فرمایا:

> ہمارا مطمحِ نظر ایران میں ایک عادلانہ اسلامی نظامِ حکومت کا قیام ہے، جس کے جملہ قوانین کا ماخذ قرآن کریم اور سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہو۔[2]

خطابات اور تعلیمات میں قرآنی مفاہیم کو اجاگر کرنا

امام خمینیؒ کے تمام تر خطابات، تقاریر اور تحریروں میں قرآن کریم کے مفاہیم اور تعلیمات ایک مرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھوں نے مختلف مواقع پر قرآنی آیات کا حوالہ دیتے ہوئے لوگوں کو ان کی حقیقی روح اور معانی سے آگاہ کیا۔ انھوں نے بالخصوص ان آیات پر زور دیا جو ظلم کے خلاف اٹھنے، مستضعفین کی حمایت کرنے اور ایک عادلانہ معاشرہ قائم کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ان کی موثر گفتگو نے عام لوگوں کے دلوں میں قرآن کی محبت اور اس پر عمل کرنے کا جذبہ پیدا کیا۔

امام خمینیؒ نے سورہ قصص کی آیت (وَنُرِيدُ أَن نَّمُنَّ عَلَى الَّذِينَ اسْتُضْعِفُوا فِي الْأَرْضِ وَنَجْعَلَهُمْ أَئِمَّةً وَنَجْعَلَهُمُ الْوَارِثِينَ)[3] کا حوالہ دیتے ہوئے مستضعفین کی حمایت اور ظالموں کے خلاف قیام کی اہمیت پر زور دیا۔ انھوں نے فرمایا:

> ہم اس امر کے مکلّف ہیں کہ عالم کے مستضعف طبقات کی حمایت میں اٹھ کھڑے ہوں اور استکباری قوتوں کے خلاف مزاحمت کریں۔ یہ فی الواقع قرآن کریم کا صریح حکم ہے۔[4]

قرآنی اقدار کو نافذ کرنے کی کوشش

امام خمینیؒ نے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے بعد معاشرے میں قرآنی اقدار کو نافذ کرنے کے لیے عملی اقدامات اٹھائے۔ انھوں

۱۔ حکومت اسلامی

۲۔ صحیفہ امام، ج ۴، ص ۲۱۳

۳۔ القصص: ۵

۴۔ صحیفہ امام، ج ۱۷، ص ۴۶

نے تعلیم، معیشت، سیاست اور قانون سمیت زندگی کے تمام شعبوں میں اسلامی اصولوں کو رائج کرنے کی کوشش کی۔ انھوں نے ایک ایسی اسلامی ریاست کے قیام کا تصور پیش کیا جس میں حاکمیت اعلیٰ اللہ تعالیٰ کی ہو اور قوانین قرآن و سنت کے مطابق ہوں۔ ان کی اس کوشش نے معاشرے میں ایک مثبت تبدیلی لانے اور لوگوں کو اسلامی طرز زندگی اپنانے کی ترغیب دی۔

اپنے سیاسی الٰہی وصیت نامے میں امام خمینیؒ نے عدل اجتماعی کے قیام کو اسلامی حکومت کا اہم ترین فریضہ قرار دیا اور اس کی بنیاد قرآن و سنت کو ٹھہرایا۔ انھوں نے فرمایا:

> میری جانب سے ملتِ شریفہ کے لیے یہ وصیت ہے کہ وہ جمیع ادوار و قرون اور ہر نوع کی صورتِ حال میں اس امر پر متوجہ رہیں کہ حکومتِ عدلِ الٰہی کا قیام ہی ان کی فلاح و نجات کا واحد وسیلہ ہے اور یہ امر جز تمسکِ کامل بہ قرآن کریم و سنتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میسر نہیں آ سکتا۔[1]

عالمی سطح پر قرآنی بیداری کی دعوت:

امام خمینیؒ کا پیغام محض ایران تک محدود نہیں تھا بلکہ انھوں نے عالمی سطح پر مسلمانوں کو قرآن کی طرف رجوع کرنے اور متحد ہونے کی دعوت دی۔ انھوں نے عالم اسلام کے تمام مظلوموں اور مستضعفین کو یہ پیغام دیا کہ قرآن ہی وہ واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے وہ اپنی کھوئی ہوئی عزت و وقار حاصل کر سکتے ہیں اور طاغوتی طاقتوں کے تسلط سے نجات پا سکتے ہیں۔ ان کی اس عالمگیر دعوت نے دنیا بھر کے مسلمانوں میں ایک نئی بیداری کی لہر پیدا کی۔ امام خمینیؒ نے عالم اسلام کے مسلمانوں سے اتحاد اور قرآن کی رسی کو مضبوطی سے تھامنے کی اپیل کرتے ہوئے فرمایا:

> اے مسلمینِ عالم! بیدار ہوں اور حبل الٰہی، قرآنِ کریم، سے تمسک اختیار کریں اور باہم متحد ہو جائیں۔[2]

قرآن کے دفاع اور اس کی حرمت کی پاسداری

امام خمینیؒ نے ہمیشہ قرآن کریم کے دفاع اور اس کی حرمت کی پاسداری پر زور دیا۔ انھوں نے ان تمام کوششوں کی مذمت کی جو قرآن کی بے حرمتی یا اس کی تعلیمات کو مسخ کرنے کے لیے کی گئیں۔ ان کا یہ واضح موقف تھا کہ قرآن مسلمانوں کے لیے ایک

۱۔ وصیت نامہ سیاسی الٰہی

۲۔ صحیفہ امام، ج ۱۳، ص ۲۰۳

مقدس امانت ہے اور اس کی حرمت کا ہر حال میں پاس رکھنا ضروری ہے۔

قرآن کی حرمت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے امام خمینیؒ نے فرمایا:

قرآن کریم، ہماری مقدس ترین کتاب ہے اور اس کی اہانت درحقیقت ہمارے تمام مقدسات کی اہانت کے مترادف ہے۔ ہم کسی بھی صورت میں ایسے فعل کی اجازت نہیں دیں گے۔ [1]

قرآن کی تعلیم و تعلم کی حوصلہ افزائی

امام خمینیؒ نے معاشرے میں قرآن کریم کی تعلیم و تعلم کی بھرپور حوصلہ افزائی کی۔ انھوں نے مدارس اور جامعات میں قرآنی علوم کی تدریس پر خصوصی توجہ دینے کی ہدایت کی اور عام لوگوں کو بھی قرآن پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی ترغیب دی۔ ان کی اس کوشش کے نتیجے میں ایران اور دیگر اسلامی ممالک میں قرآنی تعلیمات کی طرف ایک نیا رجحان پیدا ہوا۔

قرآن کی تعلیم کی اہمیت پر زور دیتے ہوئے امام خمینیؒ نے فرمایا:

ہم تمام افراد پر یہ لازم ہے کہ ہم قرآن کریم کی تلاوت کریں، اس میں تدبر و تفکر سے کام لیں اور اس امر کی سعی بلیغ بجالائیں کہ اس کے اوامر ونواہی پر کماحقہٗ عمل پیرا ہوں۔ [2]

قرآن کو زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کا ذریعہ بنانا

امام خمینیؒ کا یہ پختہ یقین تھا کہ قرآن کریم زندگی کے تمام معاملات میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے کافی ہے۔ انھوں نے لوگوں کو یہ تلقین کی کہ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی مسائل کے حل کے لیے قرآن کی طرف رجوع کریں اور اس کی تعلیمات کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو استوار کریں۔

قرآن کو زندگی کے تمام معاملات میں رہنمائی کا ذریعہ قرار دیتے ہوئے امام خمینیؒ نے فرمایا:

قرآن کریم، فی الواقع انسان کی زندگی کے لیے ایک جامع اور مکمل لائحہ عمل ہے، اور ہم پر لازم ہے کہ ہم اپنی زندگی کے تمام معاملات میں اس کی طرف رجوع کریں۔ [3]

۱۔ صحیفہ امام، ج۲۰، ص۴۵۱

۲۔ صحیفہ امام، ج۱۸، ص۴۴۶

۳ صحیفہ امام، ج۱۲، ص۲۰۸

نتیجتاً، احیاء قرآن کریم کے تناظر میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا عملی کردار ایک کثیر الجہات اور وسیع الاثر اقدام تھا۔ آپ نے قرآنی مفاہیم کی محض تبیین پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ان کے عملی نفاذ کے لیے اپنی زندگی وقف کر دی۔ آپ کی قیادت میں وقوع پذیر ہونے والے اسلامی انقلاب اور آپ کی تعلیمات نے عالم اسلام میں قرآن کی مرکزی حیثیت کو ایک بار پھر استوار کیا اور امت مسلمہ کو اس کی طرف ایک تازہ رجوع کی دعوت دی۔ آپ کا عملی اسوہ ان تمام افراد کے لیے تاقیامت ایک منارۂ نور رہے گا جو قرآن کریم کو اپنی زندگیوں کا دستور العمل اور رہنمائے اعظم قرار دیتے ہیں۔

جمع بندی:

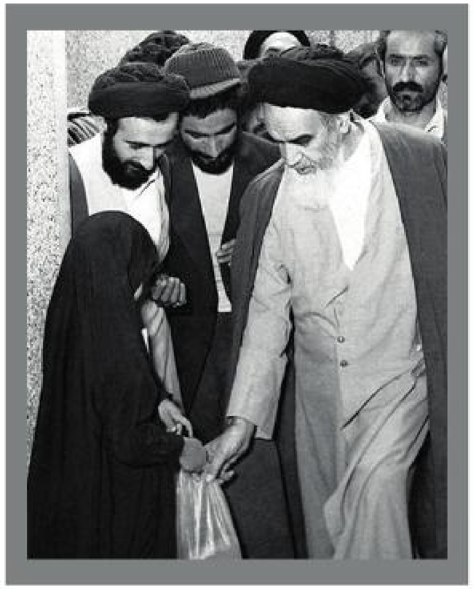
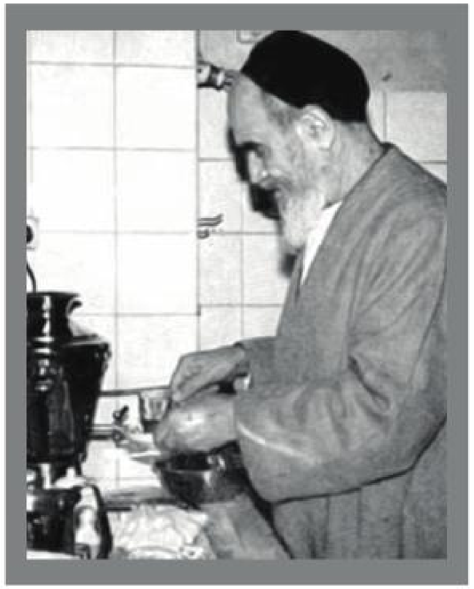
اس مقالے میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت قرآن کریم سے گہری وابستگی اور اس کے احیاء کے لیے کی جانے والی کوششوں کا ایک حسین امتزاج تھی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کے ہر پہلو میں قرآن کریم کی تعلیمات کو شامل کیا اور دوسروں کو بھی اس کی طرف راغب کیا۔ ان کا طرزِ زندگی، ان کی تحریریں اور ان کی تقاریر، سب قرآن کریم کی تعلیمات سے متاثر تھے۔ انھوں نے نہ صرف قرآن کریم کی تلاوت کی، بلکہ اس میں تدبر اور غور و فکر بھی کیا۔ انھوں نے دوسروں کو بھی قرآن کریم کی تلاوت کرنے اور اس میں تدبر کرنے کی ترغیب دی۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم کو مسلمانوں کی زندگیوں میں ایک مرکزی حیثیت عطا کی۔ انھوں نے اس بات پر زور دیا کہ قرآن کریم صرف ایک مذہبی کتاب نہیں ہے، بلکہ زندگی کے تمام پہلوؤں میں رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ انھوں نے مسلمانوں کو قرآن کریم کی طرف رجوع کرنے اور اس کی تعلیمات پر عمل کرنے کی دعوت دی۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں، عالم اسلام میں قرآن کریم کی اہمیت کو ایک بار پھر تسلیم کیا گیا اور مسلمانوں میں قرآن کریم کی طرف رجوع کرنے کا شعور بیدار ہوا۔

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا احیائے قرآن کریم میں کردار ایک جامع اور ہمہ گیر تھا۔ انہوں نے نہ صرف قرآن کریم کے نظریاتی اور فکری پہلوؤں کو اجاگر کیا، بلکہ اس کی عملی تطبیق اور معاشرے میں اس کے نفاذ کے لیے بھی بھرپور جدوجہد کی۔ ان کی قیادت میں برپا ہونے والا اسلامی انقلاب، درحقیقت قرآن کریم کی ان آفاقی تعلیمات کا عملی مظہر تھا جن میں عدل، انصاف، آزادی اور مظلوموں کی حمایت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی اور جدوجہد، قرآن کریم سے ان کی گہری وابستگی اور احیائے قرآن کریم میں ان کے عظیم کردار کی ایک روشن مثال ہے۔ ان کی فکر اور تحریک، آج بھی مسلمانوں کے لیے مشعل راہ ہے اور قرآن کریم کی طرف رجوع کرنے کی دعوت دیتی ہے۔

کتابیات:

- قرآن کریم
- خمینی، روح اللہ، صحیفہ امام، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، تہران، ۱۳۶۸
- رجایی، غلامعلی، برداشتہایی از سیرہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، تہران، ۱۳۹۲
- مصطفیٰ وجدانی، سرگذشت ہای ویژہ از سیرہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، پیام آزادی، تہران، ۱۳۷۸
- خمینی، روح اللہ، الٰہی سیاسی وصیت نامہ، صحیفہ امام، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، تہران
- خمینی، روح اللہ، حکومت اسلامی، صحیفہ امام، مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، تہران


امام خمینیؒ کی زندگی میں نہج البلاغہ کی جھلک

علامہ مقبول حسین علوی

سربراہ مرکز افکار اسلامی

امام خمینی کی زندگی میں نہج البلاغہ کی جھلک

امام خمینیؒ کی زندگی اور تعلیمات اہل بیت علیہم السلام، بالخصوص امیر المؤمنین علیؑ اور نہج البلاغہ سے گہری وابستگی کو ظاہر کرتی ہیں۔ ان کے وصیت نامے کا آغاز حدیث ثقلین سے ہوتا ہے، جس میں قرآن اور عترت کو نجات کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔ امام خمینیؒ نے نہج البلاغہ کو قرآن کے بعد مادی و معنوی زندگی کا سب سے بڑا دستور قرار دیا اور اس پر اپنی زندگی میں عمل کر کے دکھایا، جس کی مثال حضرت ابوذرؓ کی جلاوطنی اور بے کسی سے دی جا سکتی ہے۔ ان کی معنوی زندگی خطبۃ المتقین میں بیان کردہ صفات کی عکاسی کرتی ہے، جہاں خالق کی عظمت کے سامنے ہر چیز ہیچ ہو جاتی ہے۔ امام خمینیؒ نے وقت کی سپر طاقتوں کے مقابلے میں اللہ پر بھروسہ کیا اور جوانوں میں یہ یقین پیدا کیا کہ حقیقی سپر پاور صرف خدا ہے۔ انھوں نے نجف اور قم میں مشکلات کے باوجود علمی سلسلہ جاری رکھا اور سینکڑوں شاگردوں کی تربیت کی۔ امام خمینیؒ نے نہج البلاغہ کے حکومتی دستورات کو بھی نجات کی عظیم راہ قرار دیا اور اپنی تقاریر میں حضرت امیر المؤمنینؑ کے طرز حکومت اور عدل کو بیان کیا۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی شخصیت میں متضاد صفات کے اجتماع کو بیان کیا، جہاں جنگجوئی کے ساتھ ساتھ انتہا درجے کی شفقت بھی موجود تھی۔ امام خمینیؒ نے نہج البلاغہ کو حضرت علیؑ کی روح کا قائم مقام، نفس پرستی و خود خواہی کے لیے شفا بخش معجون، اور شخصی و معاشرتی دردوں کا مرہم قرار دیا۔ انہوں نے نہج البلاغہ کے ایک جملے "مَعَ كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ، وَغَيْرُ كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُزَايَلَةٍ" کو انسانی فہم کے لیے ایک چیلنج قرار دیا اور اسے قرآن کی آیت "وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ" کی تشریح قرار دیا۔ ان کے نزدیک نہج البلاغہ ایک ایسا سرمایہ ہے جس کے خریدار صرف پاکیزہ اور نورانی انسان ہی ہو سکتے ہیں۔ زیر نظر تحریر مرکز افکار اسلامی کے سربراہ حجت الاسلام والمسلمین علامہ مقبول علوی کے مطالعات کا حاصل ہے۔ اردو زبان میں نہج البلاغہ کے معارف کو عام کرنے کے لیے مرکز افکار اسلامی کی خدمات کسی سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ (ادارہ)

﴿قُلْ لَّآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى﴾

کہ دیجیے: میں اس (تبلیغِ رسالت) پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا سوائے قریب ترین رشتہ داروں کی محبت کے۔[1]

امام خمینیؒ مودّت اہل بیت علیہم السلام سے یُوں سرشار تھے کہ آپ کی زندگی کا ہر عمل اس کا گواہ اور سارا زمانہ اُس سے آگاہ ہے۔ اس کا ایک ثبوت آپ کا وہ وصیت نامہ ہے جس کا آغاز حدیث ثقلین سے کرتے ہوئے اِن سے تمسک کو دُنیا و آخرت کی نجات و کامیابی کا ذریعہ قرار دیا اور انھیں اپنے لیے مقام افتخار گردانا۔

اس وصیت نامہ میں ثقلین یعنی قرآن و عترت کو عظمت و مظلومیت میں یکجا قرار دیتے ہوئے وہی الفاظ دُہرائے جو امیر المؤمنینؑ نے نہج البلاغہ میں بیان فرمائے۔

فَقَدْ نَبَذَ الْكِتَابَ حَمَلَتُهُ، وَ تَنَاسَاهُ حَفَظَتُهُ. فَالْكِتَابُ يَوْمَئِذٍ وَّ اَهْلُهُ مَنْفِيَّانِ طَرِيْدَانِ، وَ صَاحِبَانِ مُصْطَحِبَانِ فِىْ طَرِيْقٍ وَّاحِدٍ لَّا يُؤْوِيْهِمَا مُؤْوٍ۔

چنانچہ قرآن کا بار اٹھانے والے اسے پھینک کر الگ کریں گے اور حفظ کرنے والے اس کی (تعلیم) بھلا بیٹھیں گے اور قرآن اور قرآن والے (اھلبیتؑ) بے گھر اور بے در ہوں گے اور ایک ہی راہ میں ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ انھیں کوئی پناہ دینے والا نہ ہوگا۔[2]

۱۔ سورۃ الشوریٰ: آیہ ۲۳

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۴۵، ص ۴۱۵

امام خمینیؒ نے اس وصیت نامہ میں نہج البلاغہ کی عظمت واہمیت کا یُوں اظہار فرمایا:

ما مفتخریم که کتابِ نهج البلاغه که بعد از قرآن بزرگ ترین دستور زندگی مادی و معنوی و بالا ترین کتاب رهای بخش بشر است و دستور معنوی و حکومتی آن بالا ترین راه نجات است ، از امام معصوم ما است.

> ہمیں فخر ہے کہ کتاب نہج البلاغہ جو قرآن کے بعد مادی و معنوی زندگی کے لیے بزرگ ترین دستور ہے اور انسانوں کی آزادی و رھائی کے لیے بلند ترین کتاب ہے اور اس کے معنوی و حکومتی دستورات نجات کی عظم و بلند راہ ہیں، ہمارے امام معصوم سے ہے۔[1]

آپ نے نہج البلاغہ کو فقط دستور لکھا نہیں بلکہ اپنی مادی و معنوی زندگی میں اس پر عمل کر کے دکھایا۔ آپ کی زندگی کو دیکھا جائے تو حضرت ابوذر جس طرح مدینہ سے کبھی شام تو کبھی ربذہ جلا وطن کیے جا رہے تھے اسی طرح امام خمینیؒ کبھی ترکی، کبھی عراق، کبھی پیرس کی طرف بھیجے جاتے رہے اور بے کسی و غربت کی بھی وہی حالت تھی جو حضرت ابوذر کی تھی۔ آپ کے فرزند آیت اللہ شہید مصطفیٰ خمینی نقل کرتے ہیں کہ جب ایران سے ملک بدر کر کے آپ کو عراق بھیجا گیا میں ساتھ تھا جب ہم بغداد ایئر پورٹ پر پہنچے تو اتنا کرایہ نہ تھا کہ کاظمین جائیں اور کوئی واقف کار بھی نہ تھا جس سے قرض لے لیں۔[2]

مگر یہ عبدِ خدا وہاں بھی مطمئن تھے گویا امیر المؤمنینؑ کے حضرت ابوذر کے لیے کہے ہوئے جملے ذہن میں تھے اور اُنہی جملوں سے زندگی کا دستور العمل لیے ہوئے تھے۔

> يَاۤ اَبَا ذَرٍّ! اِنَّكَ غَضِبْتَ لِلّٰهِ، فَارْجُ مَنْ غَضِبْتَ لَهُ. اِنَّ الْقَوْمَ خَافُوْكَ عَلٰى دُنْيَاهُمْ، وَ خِفْتَهُمْ عَلٰى دِيْنِكَ، فَاتْرُكْ فِيْۤ اَيْدِيْهِمْ مَا خَافُوْكَ عَلَيْهِ، وَ اهْرُبْ مِنْهُمْ بِمَا خِفْتَهُمْ عَلَيْهِ، فَمَاۤ اَحْوَجَهُمْ اِلٰى مَا مَنَعْتَهُمْ، وَ مَاۤ اَغْنَاكَ عَمَّا مَنَعُوْكَ! وَ سَتَعْلَمُ مَنِ الرَّابِحُ غَدًا، وَ الْاَكْثَرُ حُسَّدًا.
>
> اے ابوذر! تم اللہ کے لیے غضبناک ہوئے ہو تو پھر جس کی خاطر یہ تمام غم و غصہ ہے اسی سے امید بھی رکھو۔ ان لوگوں کو تم سے اپنی دنیا کے متعلق خطرہ ہے اور تمہیں ان سے اپنے دین کے متعلق اندیشہ ہے، لہٰذا جس چیز کے لیے انھیں تم سے کھٹکا ہے وہ انھیں کے ہاتھ میں چھوڑو

۱۔ وصیت نامہ الٰہی سیاسی امام خمینیؒ

۲۔ ماھنامہ پاسدار اسلام نمبر ۲۶ قم ربیع الثانی ۱۴۰۴

اور جس شے کے لیے تمھیں ان سے اندیشہ ہے اسے لے کر ان سے بھاگ نکلو۔ جس چیز سے تم انھیں محروم کرکے جارہے ہو (کاش کہ وہ سمجھتے کہ) وہ اس کے کتنے حاجتمند ہیں اور جس چیز کو انھوں نے تم سے روک لیا ہے اس سے تم بہت ہی بے نیاز ہو اور جلد ہی تم جان لوگے کہ کل فائدہ میں رہنے والا کون ہے اور کس پر حسد کرنے والے زیادہ ہیں۔[1]

معنوی زندگی کو دیکھیں تو خطبۃ المتقین میں امیر المؤمنینؑ کے بیان کیے ہوئے ایک سو دس فضائل کی آپ میں جھلک نظر آتی ہے۔ امیر المؤمنینؑ متقیوں کی رات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَمَّا اللَّیۡلَ فَصَافُّوۡنَ اَقۡدَامَهُمۡ، تَالِیۡنَ لِاَجۡزَآءِ الۡقُرۡاٰنِ یُرَتِّلُوۡنَهٗ تَرۡتِیۡلًا، یُحَزِّنُوۡنَ بِهٖۤ اَنۡفُسَهُمۡ، وَ یَسۡتَثِیۡرُوۡنَ بِهٖ دَوَآءَ دَآئِهِمۡ۔

رات ہوتی ہے تو اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر قرآن کی آیتوں کی ٹھہر ٹھہر کر تلاوت کرتے ہیں، جس سے اپنے دلوں میں غم و اندوہ تازہ کرتے ہیں اور اپنے مرض کا چارہ ڈھونڈتے ہیں۔[2]

زمانے نے دیکھا کہ زندگی کی آخری راتوں میں بھی ڈاکٹروں کی طرف سے جسم پر لگی نالیوں کے ساتھ اور سہارے سے اُٹھائے جانے کے باوجود قدموں پر کھڑے مکمل اذکار کے ساتھ نماز شب پڑھتے رہے۔

خطبۃ المتقین میں متقی کی ایک فضیلت امامؑ نے یُوں بیان فرمائی:

عَظُمَ الۡخَالِقُ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ فَصَغُرَ مَا دُوۡنَهٗ فِیۡۤ اَعۡیُنِهِمۡ۔

خالق کی عظمت ان کے دلوں میں بیٹھی ہوئی ہے۔ اس لیے اس کے ماسوا ہر چیز ان کی نظروں میں ذلیل و خوار ہے۔[3]

امام خمینیؒ نے رب کے بھروسے پر وقت کی سپر طاقتوں سے جو کیا وہ ہر ایک کے سامنے ہے اور جوانوں کی یُوں تربیت کی کہ سب یک آواز ہو گئے کہ سپر پاور ہے خدا۔ امام خمینیؒ امیر المؤمنینؑ کے اس فرمان کے مصداقِ کامل تھے۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۲۸، ص۳۸۶

۲۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۱، ص۵۶۷

۳۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۱، ص۵۶۸

حِرْصًا فِيْ عِلْمٍ

حصولِ علم کی طمع رکھتے ہیں۔[۱]

آپ نے نجف کی ملک بدری میں اور قم کے دوران بھی سب مشکلات کے باوجود اپنے علمی سلسلہ کو نہ روکا۔ قم کے زمانے میں آپ مدرسہ فیضیہ میں جمعرات اور جمعہ کو درسِ اخلاق دیتے تھے اور بڑی تعداد میں علماء و عوام شریک ہوتے تھے۔ مختلف بہانوں سے حکومت نے اِس درس کو روک دیا تو آپ نے قم کے مرکز سے دور ایک جگہ درسِ اخلاق شروع کر دیا اور علوم کے پیاسوں کو سیراب فرماتے رہے اور یُوں سینکڑوں شاگرد پرورش کیے۔

امام خمینیؒ نے نہج البلاغہ سے جو مادی و معنوی دستور حاصل کیے اُن کے ساتھ خصوصیت سے اپنی وصیت میں نہج البلاغہ کے حکومتی دستورات کو بھی عظیم راہِ نجات قرار دیا۔ نجف اشرف کے قیام کے دوران ولایت فقیہ کے موضوع پر دیے جانے والے دروس میں بھی حکومتِ علوی کا تذکرہ فرماتے رہے مثلاً فرماتے ہیں:

> ہمارا فریضہ ہے کہ ہم مظلوم و محروم لوگوں کو نجات دلائیں ۔ ہمارا فریضہ ہے کہ مظلوموں کے پشتیبان اور ظالموں کے دُشمن رہیں ۔

وہی فریضہ جسے امیر المؤمنینؑ نے اپنی مشہور وصیت میں اپنے دو بیٹوں کو یاد دلایا اور فرمایا:

كُوْنَا لِلظَّالِمِ خَصْمًا وَّلِلْمَظْلُوْمِ عَوْنًا.

ظالم و ستمگر کے دشمن اور مظلوم و ستمدیدہ کے مددگار بنے رہنا۔[۲]

حکومت کی تشکیل کے بعد کم ہی کوئی تقریر یا پیغام ہوگا جس میں آپ نے حضرت امیر المؤمنینؑ کے طرزِ حکومت یا حکومتی دستور العمل کو بیان نہ کیا ہو ۔

اکثر آپ نہج البلاغہ کا حوالہ دیتے یا اپنے الفاظ میں نہج البلاغہ کے مطالب و مفاہیم پیش کرتے تھے ۔ایک مقام پر فرمایا:

> اسلام نے حکومت کی کیفیت اور طریقہ کار کو معین کر دیا ہے ایسا نہیں کہ اسلام میں حکومت کا کوئی لائحہ عمل نہ ہو۔ اسلام میں حکمران کے اوصاف و خصوصیات معلوم و مرتب ہیں اور حضرت امیر المؤمنینؑ نے بھی حکومت

۱۔ نہج البلاغہ خطبہ ۱۹۱، ص ۵۶۸

۲۔ نہج البلاغہ، وصیت ۴۷، ص ۷۵۸

کے دستور کو معین فرمادیا ہے کہ حکومت کیسے کرنی چاہیے۔ عدلیہ کیسی ہو۔ قاضی کیسے ہوں۔[1]

ایک اور جگہ امام خمینیؒ عہد نامہ مالک اشتر کا حوالہ دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

حضرت امیر المؤمنینؑ نے عہد نامہ مالک اشتر میں حکومتی لائحہ عمل کو بیان فرمایا کہ حکومت اور جن افراد کو اُن کی طرف سے شہروں میں عہدے دیے گئے ہیں اُن کی ذمہ داری کیا ہونی چاہیے۔[2]

امام خمینیؒ حضرت امیر المؤمنینؑ کی نرم مزاجی و مہربانی کو یُوں بیان فرماتے ہیں:

اس عظیم انسان جو امام امت ہیں کی شخصیت ایسی ہے کہ اسلام میں اور اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی اُس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایک ایسی ذات ہے جس میں متضاد صفات جمع ہیں۔ جو جنگجو ہوتا ہے وہ عبادت گزار نہیں ہوتا۔ جو قوت بازو رکھتا ہے وہ زاہد نہیں بنتا۔ جو تلوار چلاتا ہے اور منحرف لوگوں کو دور کرتا ہے وہ علیؑ کی طرح مہربان و شفیق نہیں ہوتا۔ یہ شخصیت ایسی شفیق و عطوف تھی کہ جب ایک یہودی عورت کے خلخال چھین لیے گئے تو آپؑ فرماتے ہیں کہ انسان کے لیے مر جانا اس سے آسان ہے۔[3]

ایسے ہی متعدد مقامات پر خطبہ ۳ سے علماء کی ذمہ داریاں، خط ۴۵ سے غرباء و مساکین کے حقوق، حکمت ۱۴۷ سے علم کی اہمیت، خطبہ ۹۱ سے علمِ امام کے تذکرے کیے۔

خلاصہ یہ کہ امام خمینیؒ بار بار امیر المؤمنینؑ کی سیرت کو حکومت کے لیے پیش کرتے ہیں۔ ایک جگہ فرمایا:

انسان کو چاہیے کہ دیکھے کہ حضرت امیر المؤمنینؑ کی زندگی کے حالات کیا تھے۔ انفرادی واجتماعی زندگی میں کیا خلوص تھا۔ انسان کو حضرت امیر المؤمنینؑ کے حالات میں غور وفکر کرنی چاہیے اور دیکھنا چاہیے کہ آپ نے اسلام کے لیے کیا زحمات اُٹھائیں، کتنے زخم کھائے، کتنے دُکھ سہے، کتنی پیاس برداشت کی، ان چیزوں کو انسان کو مدنظر رکھنا چاہیے۔[4]

یہ ہے امام خمینیؒ کی زندگی جس میں نہج البلاغہ کی جھلک نظر آتی ہے۔ زندگی کا طریقہ کار ہو یا موت سے اُنس ہو آپ نے امامؑ

۱۔ صحیفہ نور، ج ۳، ص ۱۹۹

۲۔ صحیفہ نور، ج ۳، ص ۱۹۷

۳۔ نہج البلاغہ خطبہ ۲۷، ص ۱۸۳ کی طرف اشارہ ہے۔ صحیفہ نور، ج ۱۰، ص ۱۷۳

۴۔ صحیفہ امام، ج ۲۰، ص ۲۲

سے سیکھا۔ امام خمینیؒ کے ایک چاہنے والے عالم دین فرماتے ہیں میں نے خود نجف اشرف میں امام خمینیؒ سے یہ بات سُنی کہ فرماتے ہیں جب مجھے قم سے گرفتار کر کے تہران لا رہے تھے تو راستہ میں گاڑی پکی سڑک سے نیچے اُتاری اور مجھے محسوس ہوا کہ شاید مجھے قتل کرنا چاہتے ہیں تو میں نے خود سے سوال کیا کہ کیا موت سے ڈرتے ہو تو میرا اپنا جواب تھا نہیں۔[1]

یہ گویا حضرت امیر المؤمنینؑ کا سبق دُہرایا۔

فَاِنْ اَقُلْ یَقُوْلُوْا: حَرَصَ عَلَی الْمُلْكِ، وَاِنْ اَسْكُتْ یَقُوْلُوْا: جَزَعَ مِنَ الْمَوْتِ! هَیْهَاتَ بَعْدَ اللَّتَیَّا وَالَّتِیْ! وَاللهِ! لَابْنُ اَبِیْ طَالِبٍ اٰنَسُ بِالْمَوْتِ مِنَ الطِّفْلِ بِثَدْیِ اُمِّهٖ۔

اگر بولتا ہوں تو لوگ کہتے ہیں کہ یہ دنیوی سلطنت پر مٹے ہوئے ہیں اور چپ رہتا ہوں تو کہتے ہیں کہ موت سے ڈر گئے۔ افسوس! اب یہ بات جب کہ میں ہر طرح کے نشیب و فراز دیکھے بیٹھا ہوں۔ خدا کی قسم! ابو طالبؑ کا بیٹا موت سے اتنا مانوس ہے کہ بچہ اپنی ماں کی چھاتی سے اتنا مانوس نہیں ہوتا۔[2]

امام خمینیؒ نہج البلاغہ کو کیا سمجھتے تھے اور کس اہمیت کے قائل تھے اسے آپ کی اپنی تحریر میں پڑھیں۔

حضرت علیؑ کی معرفت اور نہج البلاغہ کی ہزارویں سالگرہ کی مناسبت سے امام خمینیؒ کا پیغام حضرت علیؑ کی ولادت باسعادت کی مناسبت سے، تیرہ رجب کو مدرسۂ عالی شہید مطہریؒ، تہران میں نہج البلاغہ کی ہزارویں سالگرہ کے موقع پر بین الاقوامی کانفرنس منعقد ہوئی، جس میں ملکی و بیرون ملک کے مفکرین و دانشور شریک ہوئے۔ اس موقع پر امام خمینیؒ رحمۃ اللہ علیہ کا پیغام ان کے فرزند سید احمد خمینی نے پڑھ کر سنایا۔ امام خمینیؒ نے اس پیغام میں فرمایا:

نہج البلاغہ کی اس بین الاقوامی کانفرنس میں کیا چیز موضوع بحث ہے؟ آیا دنیا کے بزرگ دانشور حضرت علی ابن ابی طالبؑ کی ذات کو متعارف کرانا چاہتے ہیں یا ان کی کتاب نہج البلاغہ کو؟ ہم کس سرمایہ اور تیاری کے ساتھ اس عظیم میدان میں قدم رکھ رہے ہیں؟ کیا ہم علیؑ کی حقیقت ناشناختہ شخصیت پر گفتگو کریں گے یا اپنی محدود اور ناقص شناخت کی بنیاد پر؟

کیا علیؑ ایک عام دنیوی انسان ہیں کہ دنیا والے ان پر بات کریں یا وہ ایک ملکوتی ہستی ہیں جنھیں اہل ملکوت ہی پہچان سکتے ہیں؟ اہل عرفان، فلاسفہ اور الٰہیات کے ماہرین، سب اپنی اپنی محدود علمی سطح پر گفتگو کریں گے مگر

۱۔ ماہنامہ پاسدار اسلام قم

۲۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۵، ص ۱۳۱

علیؑ کی حقیقت اس سے ماورا ہے۔

دانشمند حضرات، فضلاء، عرفاء اور فلاسفہ اپنی تمام علمی رفعتوں کے باوجود علیؑ کے جلوۂ کامل حق کو فقط اپنے وجودی آئینے میں دیکھنے پر قادر ہیں اور وہ بھی محدود پیمانے پر اور مولا اُس سے اوپر ہیں۔

لہٰذا بہتر یہی ہے کہ ہم اس راستے سے بس گزر جائیں اور بس یہ کہیں کہ علی ابن ابی طالبؑ فقط بندۂ خدا تھے اور یہی ان کی سب سے بڑی شناخت ہے جو ہم ان کے بارے میں ذکر کر سکتے ہیں۔ وہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تربیت یافتہ ہستی ہیں اور یہی ان کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔

کون سی شخصیت یہ دعویٰ کر سکتی ہے کہ وہ عبدِ خالصِ خدا ہے اور ہر غیرِ خدا سے منقطع اور فقط خدا سے متصل ہے؟ سوائے انبیاء کرام اور اولیائے عظام کے، جن میں علیؑ صفِ اول میں ہیں جو غیر سے آزاد اور دوست (خدا) سے پیوستہ ہیں، جو نور و ظلمت کے حجابات کو چیر کر عظمت کے معدن تک پہنچ گئے ہیں۔

بہرحال کتاب نہج البلاغہ، جو آپؑ کی روح کے قائم مقام ہے، وہ ہم منیّت کے بستر پر سونے والوں اور خود پسندی و خود پرستی کے پردوں میں چھپے انسانوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ایک شفا بخش معجون و مرکب ہے اور ایک ایسا مرہم ہے جو فردی اور اجتماعی دردوں کا علاج ہے۔ یہ ایسا مجموعہ ہے جو ایک انسان اور ایک عظیم انسانی معاشرے کی وسعتوں کے برابر ابعاد رکھتا ہے۔ اس کے صدور کے وقت سے لے کر جتنا بھی تاریخ آگے بڑھے، جتنے بھی معاشرے وجود میں آئیں، جتنی بھی حکومتیں اور قومیں تشکیل پائیں اور جتنے بھی مفکرین، فلاسفہ اور محققین آئیں اور اس میں غور و فکر کریں اور اس میں غرق ہو جائیں۔

آؤ، اے فلاسفہ اور حکمت کے طلبگارو، آؤ اور اس کتابِ الٰہی کے پہلے خطبے کے جملوں میں تحقیق کرو اور اپنی بلند پرواز افکار کو بروئے کار لاؤ اور اہلِ معرفت وارباب عرفان کی مدد سے اس ایک مختصر جملے کی تفسیر میں لگ جاؤ اور چاہو کہ اپنے ضمیر کو اس کی حقیقی معرفت کے ادراک سے راضی کرو، بشرطیکہ اس میدان میں کہے گئے بیانات تمھیں دھوکہ نہ دیں اور تم اپنے ضمیر کے ساتھ بے سمجھے کھیل نہ کرو اور صرف کہہ کر گزر نہ جاؤ تاکہ تم فرزندِ وحی کی نگاہ کی وسعت کو درک کر سکو اور اپنی اور دوسروں کی کوتاہی کا اعتراف کرو۔ اور وہ جملہ یہ ہے:

﴿مَعَ كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ، وَغَيْرُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا بِمُزَايَلَةٍ﴾۔
وہ ہر چیز کے ساتھ ہے، مگر اس کے ساتھ ملا ہوا نہیں اور ہر چیز سے جدا ہے، مگر الگ نہیں ہے۔

یہ جملہ اور اہل بیتِ وحی کے کلمات میں بیان ہونے والے ایسے جملے اللہ کے کلام کی تشریح و تفسیر ہیں جو سورۂ حدید میں ہے اور آخری زمانے کے مفکرین کے لیے آیا ہے۔

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾
تم جہاں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہوتا ہے۔[1]

اب امید یہ ہے کہ آپ دانشور اور باوفا و متعہد مفکرین جو نہج البلاغہ کی ہزارویں سالگرہ کی مناسبت سے منعقدہ اس باوقار کانفرنس میں جمع ہوئے ہیں، اس عظیم کتاب کے عرفانی، فلسفی، اخلاقی، تربیتی، سماجی، عسکری، ثقافتی اور دیگر پہلوؤں کو اپنی بساط کے مطابق بیان فرمائیں اور اس عظیم کتاب کو انسانی معاشروں کے سامنے متعارف کرائیں اور پیش کریں کہ یہ وہ سرمایہ ہے جس کا خریدار انسان اور نورانی ذہن ہیں۔
درود و سلام ہو اس عظیم رسول پر جس نے ایسے الٰہی وجود کو اپنی پناہ میں تربیت کیا اور اسے انسانیت کے لائق کمال تک پہنچایا۔ سلام و درود ہو ہمارے مولا پر، جو انسانِ کامل اور ناطقِ قرآن کا نمونہ ہیں اور جن کا عظیم نام ہمیشہ باقی رہے گا، جو انسانیت کا نمونہ اور اسمِ اعظم کا مظہر ہیں۔
سلام و درود ہو آپ دانشوروں پر، کہ آپ اپنی بیش بہا اور مفید کوششوں کے ذریعہ اس مقدس کتاب کے اعلیٰ مقاصد تک پہنچنے کا راستہ کھول رہے ہیں۔

والسلام علی عباد الصالحین۔
روح اللہ الموسوی الخمینی

آیۃ اللہ العظمیٰ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ پیغام امیر المؤمنینؑ کی جن عظمتوں پر مشتمل ہے وہ یہاں کا موضوع نہیں ہے البتہ امامؑ کی عظمت کا ایک پہلو آپ کا کلام و بیان اور فصاحت و بلاغت ہے جس کا ایک نمونہ نہج البلاغہ ہے۔ آیۃ اللہ خمینی کے اِس پیغام میں نہج البلاغہ کے بارے میں پانچ جملے انتہائی اہم ہیں جن پر ضرور غور و فکر ہونی چاہیے اور کوئی صاحبِ قلم چاہیے تو اس پر مفصل کتاب لکھی جا سکتی ہے۔

۱۔ سورۃ الحدید، آیہ: ۴

(۱) اما کتابِ نہج البلاغه که نازله روحِ اوست برای تعلیم و تربیت.

نہج البلاغہ کتاب بمنزلہ روح امیر المؤمنینؑ ہے یہ کتاب روح علیؑ کی قائم مقام ہے۔ علی علیہ السلام کی چاہتوں اور تمناؤں، علی علیہ السلام کی محبتوں اور نفرتوں کو جاننے کی کتاب ہے۔ معرفتِ علی علیہ السلام کا اہم ذریعہ ہے۔ نہج البلاغہ پڑھتے ہوئے گویا علی علیہ السلام بول رہے ہوتے ہوں۔

نہج البلاغہ پڑھتے ہوئے امیر المؤمنینؑ کے سَلُونِیْ کے دعوے سُنائی دیتے ہیں۔ گویا علی علیہ السلام مسندِ علم پر بیٹھے ہیں اور چودہ سو سال سے تعلیم و تربیت کا علی علیہ السلام کا درس جاری ہے۔

(۲) معجونی است برای شفا.

نہج البلاغہ نفس پرستی وخود خواہی جیسی امراض کے لیے شفا بخش معجون ہے۔ نہج البلاغہ کے بارے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ جملہ کہ نہج البلاغہ شفا بخش معجون ہے اتنا پسند کیا گیا اور اتنا عام ہوا کہ ہر علم دوست اس سے واقف ہے اور نہج البلاغہ جو حقیقت میں تفسیر قرآن ہے اسے قرآن کی طرح ان امراض کے لیے شفا بخش دوا ہونا چاہیے۔

امیر المؤمنینؑ نے قرآن کے لیے فرمایا:

فَإِنَّ فِيهِ شِفَآءً مِنْ أَكْبَرِ الدَّآءِ، وَهُوَ الْكُفْرُ وَالنِّفَاقُ، وَالْغَيُّ وَالضَّلَالُ.

اس میں کفر و نفاق اور ہلاکت و گمراہی جیسی بڑی بڑی مرضوں کی شفا پائی جاتی ہے۔[1]

(۳) مرهمی است برای دردهای فردی و اجتماعی.

نہج البلاغہ شخصی و معاشرتی دردوں اور زخموں کے لیے مرہم ہے۔

انسان کے درد و امراض جسم کے اندر ہوتے ہیں تو اُن کا علاج الگ ہوتا ہے اور جسم کے ظاہر پر زخم ہو تو اُس پر پٹیاں باندھی جاتی ہیں یعنی زخم کے لیے علاج مرہم پٹی ہوتی ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے نہج البلاغہ کو انسانیت کے اندرونی دردوں کے لیے معجون اور ظاہری زخموں کے لیے مرہم قرار دے کر خوب صورت انداز میں عظمت و اہمیت بیان فرمائی۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱۷۴، ص ۴۸۷

(۴) این یک جمله کوتاه را به تفسیر بپردازند.

امام خمینیؒ اِس فرزندِ علی علیہ السلام نے علمِ علی علیہ السلام میں غوطہ زن ہو کر نہج البلاغہ کے پہلے خطبے سے ایک چھوٹا سا جملہ انتخاب کیا اور زمانے بھر کے فلاسفہ و حکما کو اور اہلِ معرفت و عرفان کو چیلنج کیا کہ سب مل کر اس چھوٹے سے جملہ کی تفسیر کر کے دکھائیں۔

مَعَ كُلِّ شَيْءٍ لَا بِمُقَارَنَةٍ، وَغَيْرُ كُلِّ شَيْءٍ لَّا بِمُزَايَلَةٍ۔

وہ ہر شے کے ساتھ ہے نہ جسمانی اتصال کی طرح، وہ ہر چیز سے علیحدہ ہے نہ جسمانی دوری کے طور پر۔[1]

آیۃ اللہ خمینی نے یہاں امیر المؤمنین کے لیے "فرزندِ وحی" کا لفظ استعمال کیا جو خود نہایت دلچسپ ہے اور پھر اس آیت کی طرف اشارہ فرمایا:

﴿هُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنتُمْ﴾

وہ تمہارے ساتھ ہے جہاں بھی تم ہو۔[2]

نہج البلاغہ کے اِس ایک جملے میں کیا کیا گہرائیاں اور وجودِ خدا کی کیا کیا عظمتیں بیان ہوئی ہیں اس کی وضاحت کا یہ مقام نہیں مگر امام خمینیؒ کا امیر المؤمنینؑ کو "فرزندِ وحی" کہہ کر خطاب کرنا اور پھر قرآن مجید کی آیت کو شاہد کے طور پر لانے سے یہ بات سمجھ آتی ہے کہ اگر قرآن سمجھنا اور قرآن کے ذریعہ خُدا کو سمجھنا ہے تو علی امیر المؤمنینؑ کے دروازے پر دستک دینی ہو گی اور نہج البلاغہ اُس دروازے پر دستک دینے کا ذریعہ ہے۔

(۵) این متاعی که مشتری آن انسان ها و مغزهای نورانی است.

نہج البلاغہ وہ سرمایہ واثاثہ اور پونجی و دولت ہے جس کا ہر کوئی خریدار نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے خریدار پاکیزہ و نورانی انسان اور دماغ ہی ہو سکتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں آپ دانشور و مفکر اپنی طاقت و ہمت کے مطابق اس عظیم کتاب کو تمام انسانی معاشروں تک پہنچائیں۔

۱۔ نہج البلاغہ، خطبہ ۱، ص ۹۲

۲۔ سورۃ الحدید: آیۃ ۴

یہ ہیں فرزندِ علی و بتول علیہا السلام آیۃ اللہ العظمی امام خمینیؒ اور یہ ہیں نہج البلاغہ کے بارے میں اُن کے خیالات۔ حقیقت ہے کہ امیر المؤمنینؑ کا یہ کلام دین اور دینداروں کے لیے ہر مقام پر قوّت و طاقت کا اور دین فہمی کا ذریعہ ہے۔ علامہ اقبال نے یہی فرمایا۔

قوّتِ دینِ مبین فرمودہ اش.

امامؑ کے فرامین دینِ مبین کی قوّت کا سبب ہیں۔[1]

ا۔ کلیاتِ اقبال، اسرار خودی، در شرح اسرار اسمای علی مرتضی، ص ۴۳



یہ شخص جو دن بھر بیٹھ کر یہ آتشیں اعلانات جاری کرتا ہے، سحری کے وقت کم از کم ایک گھنٹہ اپنے خدا کے ساتھ راز و نیاز کرتا ہے اور اس طرح آنسو بہاتا ہے کہ یقین کرنا مشکل ہے۔ یہ شخص بالکل علیؑ کا نمونہ ہے۔ علیؑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ میدان جنگ میں دشمن پر مسکراتے تھے اور محراب عبادت میں گریہ وزاری کی شدت سے بے ہوش ہو جاتے تھے اور ہم ان کی یہ مثال اس شخص میں دیکھتے ہیں۔ (آیت اللہ مرتضی مطہری)

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، عالم اسلام کی عظیم شخصیت

حجت الاسلام علامہ فدا حسین بخاری

امام خمینیؒ عالم اسلامی کی عظیم شخصیت

امام خمینیؒ بیسویں صدی کے ایک عظیم رہنما تھے جنھوں نے اپنی زندگی کو اسلام کی سربلندی اور اس کے حقیقی معنوں میں نفاذ کے لیے وقف کر دیا۔ ان کا نام اسلامی انقلاب کے ساتھ لازم و ملزوم ہے اور اس انقلاب کی عظمت و گہرائی وقت گزرنے کے ساتھ مزید واضح ہو رہی ہے۔ امام خمینیؒ ایک ہمہ جہت شخصیت تھے۔ انھوں نے دین اور سیاست کے اتحاد پر زور دیا، اس بات پر عمل کرتے ہوئے کہ اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو مادی و معنوی دونوں پہلوؤں میں انسان کی فلاح کا ضامن ہے۔ ان کے نزدیک اسلامی حکومت کی تشکیل ہی حقوق کے تحفظ کی ضمانت دے سکتی ہے، اور اسی لیے انھوں نے "جمہوری اسلامی" کا نعرہ دیا۔ امام خمینیؒ نے مسلمانوں کو وحدت اسلامی کا درس دیا اور ہفتہ وحدت جیسی تقریبات کا آغاز کیا تاکہ امت مسلمہ اپنے مشترکہ دشمن کے خلاف متحد ہو سکے۔ وہ ظلم اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد میں پیش پیش رہے اور محروموں اور مستضعفین کی آواز بنے، جس سے دنیا بھر کی آزادی کی تحریکوں کو الہام ملا۔ یوم القدس کا اعلان اور برائت از مشرکین کا حکم ان کی فلسطینیوں سے ہمدردی اور مشرکانہ قوتوں سے بیزاری کا ثبوت ہے۔ امام خمینیؒ نے دس سالہ حکمرانی کے دوران نہایت سادہ زندگی گزاری اور مسلمان حکمرانوں کو بیت المال کو امانت سمجھنے کا پیغام دیا۔ انھوں نے روسی صدر گورباچوف کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے کر کمیونزم کے زوال کی پیشگوئی بھی کی۔ یہ تمام اقدامات امام خمینیؒ کو ایک ایسی شخصیت بناتے ہیں جس نے عالم اسلام پر گہرے اور انمٹ نقوش چھوڑے۔ زیر نظر تحریر حجت الاسلام والمسلمین علامہ سید فدا حسین بخاری کے مطالعات کا حاصل ہے جسے قارئین پیام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

ارشاد خداوندی ہے:

الَّذِيْنَ يُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰهِ وَيَخْشَوْنَهٗ وَلَا يَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰهَ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا۔ [1]

وہ جو خدائی پیغامات کی تبلیغ کرتے ھیں اور اسی سے ڈرتے ھیں وہ سوائے اللہ کے کسی سے نھیں ڈرتے اور اللہ حساب لینے کے لیے کافی ھے۔

اس آیہ کریمہ کے بارزترین مصادیق تو انبیاؑء اور اوصیاؑء ہیں۔ ان کے بعد وہ علمائے ربانی بھی اس آیہ مجیدہ کے مصادیق میں شامل ہیں جو اللہ تبارک و تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ جس شخصیت کے بارے میں اس مقالے میں گفتگو کرنا ہے وہ بھی اس آیت کے مصداق ہیں۔

حدیث میں ہے کہ علماء، انبیاؑء کے وراث ہیں۔ چنانچہ وارث انبیاؑء امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے دین اسلام کی سربلندی کے لیے اور اس کے حقیقی معنوں میں نفاذ کے لیے جو جدوجہد کی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ آپ نے اس راستے میں صرف خداوند متعال کی رضا کو سامنے رکھا۔

ہمارا موضوع یہ ہے کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات نے عالم اسلام پر کیا اثرات چھوڑے؟

یہ حقیقت ہے کہ انسان کی شخصیت کا اظہار، اس کے قول فعل اور عمل سے ہوتا ہے۔ کہنے کو تو سب انسان، انسان ہوتے ہیں

۱۔ سورہ احزاب، آیت ۳۹۔

لیکن انسان کی شخصیت اس کے کردار سے تشکیل پاتی ہے۔ جتنا کردار بلند ہو گا اتنی ہی شخصیت بلند ہو گی اور یہ کردار انسان کا اپنا فعل ہوتا ہے اور وہ خود اس کا فاعل ہوتا ہے۔ فعل کی عظمت کو دیکھ کر فاعل کی عظمت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔

رہبر معظم آیت اللہ خامنہ ای کے بقول: "این انقلاب بدون نام خمینی هیچ جای دنیا شناخته شده نیست۔" خمینی کے نام کے بغیر انقلاب اسلامی کی پہچان نہیں ہے۔ لام خمینیؒ اور انقلاب اسلامی لازم و ملزوم بن گئے ہیں۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک کا نام آئے اور دوسرے کا نام نہ آئے۔ انقلاب اسلامی لام خمینیؒ کے بہت سے کاموں میں سے ایک اہم کام ہے۔ اگر کوئی مؤرخ، محقق، متفکر اور دانشور اس انقلاب اسلامی کی کما حقہ اہمیت و عظمت درک کر سکتا ہے تو پھر وہ اس کام کے انجام دینے والے فاعل اور بانی کی عظمت کو پہچان سکتا ہے۔

ابھی دنیا اس اسلامی انقلاب کی عظمت و رفعت اور اس کی گیرائی و گہرائی سے پوری طرح واقف نہیں ہوئی۔ جوں جوں وقت گزر رہا ہے، امام کے لائے ہوئے انقلاب کی وسعت کا احساس دنیا کو ہو رہا ہے۔

امام خمینیؒ کی شخصیت تاریخ ساز اور ہمہ جہت تھی۔ وہ اپنے زمانے کے مجتہد اعظم بھی تھے، مفکر اسلام بھی، عارف کامل بھی، چوٹی کے سیاست دان بھی، شاعر بھی، عارف بھی، ممتاز فلسفی بھی علم اخلاق کے استاد بھی، ملت اسلامیہ کے رہبر کبیر بھی اور امام انقلاب بھی۔ ان کی شخصیت کے جس جس پہلو پر غور کریں، اس اس میں وہ رہبر و رہنما نظر آتے ہیں۔ ان کی شخصیت نے دنیا میں عموماً اور عالم اسلام میں خصوصاً اتنے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں جن کا احاطہ کرنا اس مختصر تحریر میں ناممکن ہے۔ ان کی شخصیت اور انقلاب اسلامی پر سینکڑوں مقالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ امام کمیٹی کی سترہویں برسی کے موقع پر چند نکات کی نشاندہی کرتا ہوں:

دین اور سیاست کا اتحاد

امام خمینیؒ کی تعلیمات دراصل سرکار دو عالم رسول کریم کی تعلیمات کا ہی پرتو ہیں۔ امام خمینیؒ رسول پاکؐ اور اہل بیت اطہارؑ کے حقیقی پیروکار اور وارث تھے۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مدینہ میں پہنچتے ہی پہلی اسلامی ریاست کی تشکیل کر کے بتا دیا کہ اسلام جہاں انسان کے اپنے رب کے ساتھ رابطے اور بندگی پر زور دیتا ہے وہاں انسانوں کے انسانوں کے ساتھ رابطے اور معاملات میں بھی قوانین رکھتا ہے۔ چونکہ اسلام انسان کی دنیاوی زندگی اور اخروی زندگی دونوں کے لیے بہبود اور فلاح کا پیغام لے کر آیا ہے۔ اسلام بندوں کے مادی اور معنوی حقوق کے تحفظ کا ضامن ہے اور یہ ضمانت اس وقت تک فراہم نہیں ہو سکتی جب تک حکومت اسلامی کی تشکیل نہ ہو۔ اسی لیے پہلی اسلامی حکومت کی بنیاد رسول اکرمؐ نے رکھی۔ ان کی رحلت کے بعد

خلفائے مسلمین نے خلافت کی شکل میں اس کو برقرار رکھا۔ امیر المومنین علیؑ نے تقریباً پانچ سال حکومت اسلامی کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھی۔ ان کی شہادت کے بعد امام حسنؑ نے چھ مہینے حکومت کی۔ پس اگر سیاست شجرہ ممنوعہ ہوتی اور حکمرانی قبیح عمل ہوتا تو رسول کریمؐ، امیر المومنینؑ اور دوسرے آئمہ اطہارؑ اس کے لیے کیوں جدوجہد کرتے۔ اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کی حاکمیت، ہر نبی ہر ولی اور ہر عالم ربانی کی اولین خواہش رہی ہے۔

امام خمینیؒ نے اپنی کتاب ولایت فقیہ لکھ کر اور پھر انقلاب لا کر حکومت اسلامی تشکیل دے کر رسول اسلامؐ اور امیر المومنینؑ کی سیرت کا احیاء کر دکھایا۔ اسلام مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ دنیا کے بڑے بڑے مفکر، دین اور مذہب کو افیون قرار دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ترقی کے راستے میں مذہب سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ امام خمینیؒ نے انقلاب لا کر اور کامیابی سے ملک کو چلا کر بتا دیا ہے کہ جس طرح اسلام کے قوانین معاشرے کو صحیح خطوط پر چلا سکتے ہیں اور انسانوں کے تکامل اور کمال کے لیے سازگار ہیں، اس طرح کوئی دوسرا قانون سازگار نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے جب انقلاب کے بعد آپ سے پوچھا گیا کہ ملک کا کیا نام ہو تو فرمایا:

جمہوری اسلامی نہ ایک لفظ زیادہ اور نہ ایک لفظ کم۔

آپ نے ''لاشرقیہ ولا غربیہ جمہوریہ اسلامیہ'' کا نعرہ دیا۔

وحدتِ اسلامی

امام خمینیؒ نے قرآن مجید کے اس حکم: وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا۔ پر خود عمل کرتے ہوئے اپنے پیغامات میں ہمیشہ وحدت اور اتحاد کا درس دیا۔ انھوں نے مسلمانوں کو تاکید کی کہ اپنی صفوں میں اتحاد پیدا کریں اور اپنے مشترکہ دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں۔ انقلاب کے بعد ایران اور پورے عالم اسلام میں رسول اکرمؐ کی ولادت کے ایام کو ہفتہ وحدت کا عنوان قرار دیا۔ اب تمام مکاتب فکر سے تعلق رکھنے والے مل کر رسول اکرمؐ کی سیرت طیبہ پر کانفرنسز اور سیمینارز کا اہتمام کرتے ہیں، جلسے کرتے ہیں اور مشترکہ طور پر جلوس نکالتے ہیں۔

ظلم اور ناانصافی کے خلاف جدوجہد

امام خمینیؒ نے مسلمانوں کو یہ پیغام بھی دیا کہ ہمیں نہ کسی پر ظلم کرنا چاہیے اور نہ ظلم سہنا چاہیے۔ امام خمینیؒ فرماتے ہیں

کہ اس سے نجات حاصل کرنا پڑے گی۔ امام خمینیؒ نے رسول پاکؐ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے خالی ہاتھ باطل قوتوں سے نبرد آزمائی کی۔ جس طرح رسول پاکؐ ۳۱۳ ساتھیوں کے ساتھ اپنے سے کئی گنا زیادہ دشمن سے ٹکرا گئے اور کامیاب ہوئے ،اسی طرح امام خمینیؒ نے عمل کیا اور کامیاب ہو گئے۔ عصر حاضر میں امام خمینیؒ کی تحریک جذبہ ایمانی سے سرشار ہو کر کامیاب ہوئی اور مسلسل ظلم کے خلاف برسرپیکار رہتے ہوئے فتح و کامرانی سے ہمکنار ہوئی۔

محروموں اور مستضعفین کی آواز

امام خمینیؒ نے نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ دنیا کی محروم قوموں کے حق میں آواز بلند کی۔ جہاں جہاں آزادی کی تحریکیں چل رہی تھیں، امام خمینیؒ کی شخصیت ان کے لیے الہام بخش تھی اور آج بھی ہے۔ دنیا کی محروم و مظلوم قوموں کے افراد یہ کہتے ہیں کہ کاش ہم میں بھی کوئی خمینی پیدا ہو جائے۔

یوم القدس کا اعلان

امام خمینیؒ نے انقلاب سے پہلے اور انقلاب کے بعد ہمیشہ فلسطین کی مظلوم ملت کی حمایت کی اور القدس کی آزادی کے لیے اور اس فکر کو زندہ رکھنے کے لیے کہ بیت المقدس مسلمانوں کا قبلہ اول ہے، یہ مسلمانوں کو ملنا چاہیے، رمضان المبارک کے آخری جمعۃ المبارک کو یوم القدس قرار دیا۔ تمام عالم اسلام میں رمضان کا آخری جمعہ یوم القدس کے طور پر منایا جاتا ہے جس سے تمام مسلمان فلسطینی بھائیوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کرتے ہیں۔

برائت از مشرکین

حج کے موقع پر رسول پاکؐ اور امیر المومنینؑ کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے برائت از مشرکین کا حکم دیا۔ اس پیغام پر عمل کرتے ہوئے سینکڑوں حاجیوں نے اپنی جان کا نذرانہ دیا لیکن پھر بھی اس کام کو جاری و ساری رکھا۔

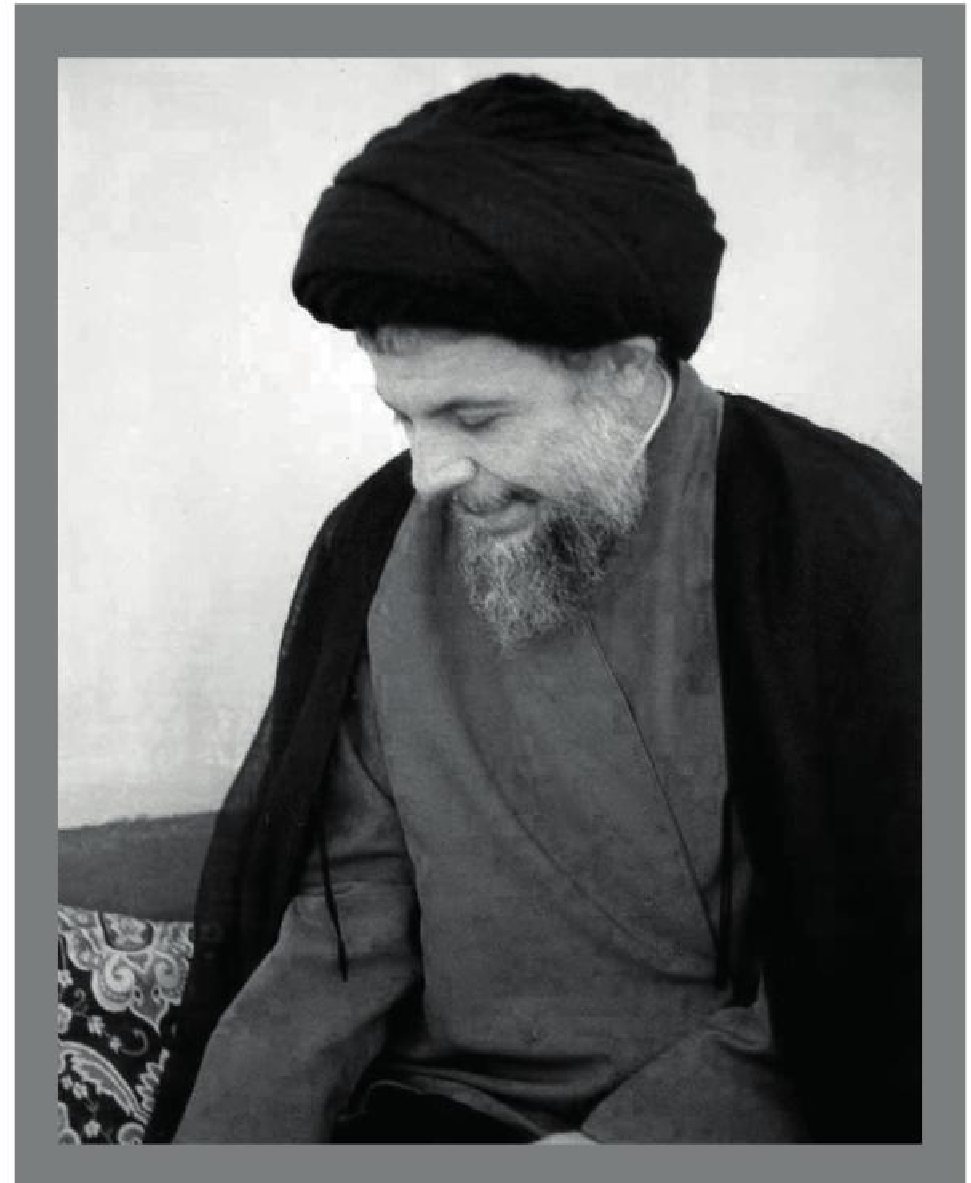
مسلمان حکمرانوں کے لیے پیغام

امام خمینیؒ نے دس سال تک حکومت کی۔ نہایت سادہ زندگی گزاری۔ چھوٹے سے مکان میں ان کے استعمال میں صرف دو کمرے تھے۔ ایک میں وہ استراحت کرتے تھے اور ایک کمرہ ملاقات کرنے والوں سے مخصوص تھا۔ انقلاب کے بعد ان سے کہا گیا

کہ آپ کے لیے شاہ کے محلات میں سے کوئی محل مخصوص کر دیتے ہیں لیکن آپ نے منع کر دیا اور فرمایا ایسی جگہ ڈھونڈو جہاں چھوٹے مکان کے ساتھ حسینیہ یعنی امام بارگاہ ہو۔ جہاں لوگوں سے رابطہ رہے اور ان کی رہنمائی کے لیے براہ راست پیغام دے سکوں۔ آپ نے چودہ سو سال بعد رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور امیر المومنینؑ کی سیرت کا احیاء کیا جسے دنیا فراموش کر چکی تھی اور حکمرانوں کو پیغام دیا کہ بیت المال کو اپنی جاگیر نہ سمجھو امانت سمجھو۔

روس کے صدر گورباچوف کو اسلام کی دعوت

امام خمینیؒ نے رسول پاک کی سنت پر عمل کرتے ہوئے روس کے صدر گورباچوف کو اسلام کی دعوت دی اور پیشگوئی کہ اب کمیونزم کو دنیا کے سیاسی عجائب گھروں میں دیکھنا۔ یہ اب بطور سسٹم فیل ہو چکا ہے۔ آپ کی اور آپ کے ملک کے لیے یہی بہتر ہے کہ ایک خدا کی بندگی کر لو۔ ایسی مثالیں امام خمینیؒ کے پیروکاروں سے اب بھی دیکھنے میں آ رہی ہیں۔



امام خمینی میں اس طرح فنا ہو جاؤ جیسے وہ اسلام میں فنا ہو گئے ہیں..." اور اعلان کیا: "آئندہ میری مرجعیت کی بات نہ کریں۔ آج پرچم امام خمینی کے ہاتھ میں ہے، وہی اسلامی دنیا کے رہبر ہیں اور ہم سب کو اس پرچم کی حمایت کرنی چاہیے۔ آیت اللہ باقر الصدر

ولایت فقیہ اور امام خمینیؒ

حجت الاسلام سید حسنین عباس گردیزی

سربراہ نور معرفت مرکز تحقیقات

ولایت فقیہ اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ

عربی زبان میں "فقہ" گہرے فہم و ادراک کو ظاہر کرتا ہے، اور "تفقہ فی الدین" سے مراد اسلام کے تمام پہلوؤں کو بصیرت کے ساتھ سمجھنا ہے۔ دوسری صدی ہجری کے بعد، فقہ کی اصطلاح اسلامی قوانین و احکام کو ان کے ماخذ سے اخذ کرنے کی مہارت کے لیے استعمال ہونے لگی، جبکہ "ولایت" کسی معاملے کی سرپرستی اور قیادت کو ظاہر کرتا ہے۔ اس تناظر میں، "ولایت فقیہ" ایک ایسے اسلامی معاشرے کی قیادت کو ظاہر کرتی ہے جو دین کا گہرا فہم رکھتا ہو اور اسلامی قوانین کو اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق نافذ کر سکے۔ ولی فقیہ کا انتخاب نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنی اہلیت اور شرائط کی بنیاد پر اس منصب پر فائز ہوتا ہے، اور اگر وہ ان شرائط میں سے کسی ایک کو کھو دے تو خود بخود معزول ہو جاتا ہے۔ ولی فقیہ کی حکومت مطلقہ نہیں بلکہ مشروط ہے، یعنی وہ قرآن و سنت کے مطابق حکومت کرتا ہے اور اس کے احکام اللہ کے قوانین کی عکاسی کرتے ہیں نہ کہ ذاتی رائے کی۔ اس طرح، ولی فقیہ کا نظام اسلام اور اسلامی مراکز کے تحفظ، قوانین الٰہی کے نفاذ، اور ظلم و استبداد کے خاتمے کی ضمانت فراہم کرتا ہے۔ زیر نظر تحریر میں موقر مولف نے ولایت خاصہ کے موقف پر زیادہ بات نہیں کی، جو شاید موضوع کا ہدف نہیں تھی تاہم اگر دونوں نظریات کے دلائل کو پیش کیا جاتا تو مقالہ کی جامعیت میں مزید اضافہ ہوتا۔ (ادارہ)

عربی زبان میں" فقہ " گہرے فہم وادراک کے معنی میں ہے۔قرآن کریم، احادیث نبوی اور اقوال ائمہ ہدیٰ میں بار بار" تفقہ فی الدین " کا حکم دیا گیا ہے۔ان موارد سے مجموعی طور پر یہ نتیجہ حاصل ہوتا ہے کہ اسلام یہ چاہتا ہے کہ تمام مسلمان اسلام کو ہر لحاظ سے خوب اچھی طرح سمجھیں۔اس کے مسائل واحکام کو گہری اور عمیق نظروں سے دیکھیں اور کمال بصیرت کے ساتھ اس کا مطالعہ کریں۔البتہ یہ " تفقہ فی الدین " جس کی اسلام تاکید کرتا ہے اسلام کے تمام پہلوئوں پر حاوی ہے خواہ وہ عقائد ہوں، اخلاقیات ہوں یا تربیت کے اسلامی اصول ہوں، اسلامی عبادات، یا قوانین اسلامی ہوں یا انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے متعلق خاص آداب ہوں۔

لیکن فقہ کی وہ اصطلاح جو دوسری صدی ہجری کے بعد مسلمانوں میں رائج ہوئی، اس سے مراد اسلامی قوانین واحکام کا ان کے ماخذ اور مصادر سے استنباط " ہے۔دوسرے الفاظ میں دقیق اور عمیق انداز سے اسلامی ماخذ سے اس کے احکام و قوانین کے سمجھنے کو فقہ کہا جاتا ہے۔جہاں تک " ولایت " کے کلمے کا تعلق ہے تو اس کا لفظی مطلب کسی امر کی سرپرستی کرنا "اس کی ذمہ داری قبول کرنا اور قیادت وراہنمائی کرنا۔

۱۔ فقیہ اس شخص کو کہا جاتا ہے جو دین کا گہرا اور عمیق فہم رکھتا ہو اور اسلامی قوانین اور احکام کو ان کے ماخذ (Sources) سے اخذ کرنے کی مہارت رکھتا ہو۔

۲۔ "فقیہ " اور " ولایت " کے مفردات کی توضیح کے بعد "ولایت فقیہ " کی اصطلاح کا معنی آسانی سے سمجھا جاسکتا ہے۔یعنی ایک اسلامی معاشرے کی سرپرستی اور قیادت کا ایک ایسے شخص کے ہاتھوں میں ہونا جو دین اسلام کا عمیق فہم رکھتا ہو، اسلامی

قوانین اور احکام کو ان کے اصلی ماخذ (Sources) سے اخذ کر سکتا ہو اور اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق ان کی تفسیر کر سکتا ہو۔

یہاں اس امر کی وضاحت بہت ضروری ہے کہ ولایت حکومت و سرپرستی کے معنوں میں بنیادی طور پر فقط ذات باری تعالیٰ کا حق ہے۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ کو یہ حق اللہ تعالیٰ نے عطا کیا ہے اور ان کے بعد ائمہ ہدیٰ اس کی کامل اہلیت رکھتے ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امت کی رہبری اور قیادت اور حکومت کے اختیارات اُن کے سپرد ہیں۔ ان کے بعد وہ امور جو فقہ اسلامی کے دائرے میں آتے ہیں ان کی سرپرستی و ذمہ داری اور امت کی قیادت اور راہنمائی فقیہ کا کام ہے اور اسی نظریے کو ولایت فقیہ کا نظریہ کہا جاتا ہے۔ اس فقیہ کو جو یہ فریضہ انجام دیتا ہے، ولی فقیہ اور حاکم شرع بھی کہا جاتا ہے۔

جہاں تک اس سوال کا تعلق ہے کہ آیا ایک فقیہ کو یہ حق حاصل ہے یا نہیں تو اس حوالے سے ایک معاصر محقق نے اس عنوان پر شیعہ واہل سنت دونوں ذرائع سے احادیث و روایات کو پیش کیا ہے، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ امت کے درمیان متفقہ مسئلہ ہے۔ کہتے ہیں کہ ولایت فقیہ کا تصور اس کی تصدیق کے لیے کافی ہے یعنی اگر انسان ولایت فقیہ کا مطلب صحیح طور پر سمجھ لے تو وہ خود بخود اس کے ثبوت کا قائل ہو جائے گا اور اسے ثابت کرنے کے لیے مزید دلائل کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

آج کے دور میں اس عنوان پر گفتگو کرنے کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ یہ ایک وسیع موضوع ہے، اور اس کے کئی پہلو ہیں۔ اس مقالے میں ہم صرف حضرت امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات کے حوالے سے اس موضوع پر چند باتیں عرض کی جائیں گی۔ شاید بعض افراد کے ذہنوں میں یہ بات ہو کہ "ولایت فقیہ" کے نظریے کو سب سے پہلے امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ نے پیش کیا ہے۔

حالانکہ ایسا نہیں ہے، خود امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

> موضوع ولایت فقیه چیز تازه ای نسبت که ما آورده باشیم، بلکه این مسأله از اول مورد بحث بوده است
>
> یعنی :ولایت فقیہ کی بحث کوئی نئی چیز نہیں ہے جسے ہم پیش کر رہے ہیں، بلکہ یہ مسئلہ پہلے ہی سے زیر بحث رہا ہے۔[1]

اس نظریے کے دلائل خود قرآن مجید اور احادیث معصومین میں موجود ہیں۔ علماء نے عقلی و نقلی دونوں قسم کے دلائل سے اسے

۱۔ امام خمینیؒ حکومت اسلامی موسسہ تنظیم و نشر آثار حضرت امام خمینیؒ

ثابت کیا ہے۔ فقہاء کے درمیان فقیہ کی ولایت کا مسئلہ مسلم و ضروری مسائل میں سے ہے۔ جو انسان بھی فقہ سے آگاہ ہے اور اس کے مختلف ابواب کا مطالعہ رکھتا ہے، وہ فقیہ کی ولایت سے انکار نہیں کر سکتا۔ اس موضوع کے بارے میں بزرگ فقہا نے اپنی کتب میں مختلف مقامات پر بحث کی ہے۔ شیخ محمد حسن نجفی اصفہانی (متوفی ۱۲۶۶ ہجری) کتاب "جواہر الکلام" کے مصنف ہیں۔ اس کتاب کو شیعہ فقہ کا انسائیکلوپیڈیا کہا جا سکتا ہے۔ فقہ کی مفصل ترین کتاب ہے۔ کوئی بھی مجتہد اپنے آپ کو جواہر سے بے نیاز نہیں سمجھتا۔ یہ کتاب کئی بار چھپ چکی ہے اس کی پچاس جلدیں ہیں اور تقریباً ۲۰ ہزار صفحات پر مشتمل ہے۔

شہید مطہری اس کتاب کے بارے میں کہتے ہیں:

> اس کی ہر سطر علمی مطالب سے پر ہے۔ ایک صفحہ کے مطالعے کے لیے بھی بہت زیادہ وقت درکار ہے۔ اس کتاب کی تالیف پر کتنی توانائی اور محنت صرف ہوئی ہو گی۔ اس حوالے سے یہی کہا جا سکتا ہے کہ مسلسل ۳۰ سال کی کاوش، لگن، خلوص اور سچے جذبے کی بدولت یہ عظیم فقہی شاہکار وجود میں آیا ہے۔[1]

اس کتاب کے مصنف کے نزدیک "ولایت فقیہ "کا مسئلہ واضحات میں سے ہے اور اسے ثابت کرنے کے لیے استدلال کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ لکھتے ہیں :

> **وبالجمله فالمسألة من الواضحات التي لا تحتاج إلى الادلة**[2]
>
> یعنی: یہ مسئلہ ان واضحات میں سے ہے کہ جن پر دلائل پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اسی طرح وہ ولایت فقیہ کو ضروری اور مسلم امور میں سے قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں :

> **لكن ظاهر الاصحاب عملاً و فتوى في سائر الابواب عمومها بل لعله من المسلمات او الضروريات عندهم**[3]
>
> یعنی: اصحاب کے ابواب فقہ میں عمل اور فتوی سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ فقیہ کی ولایت عمومیت رکھتی ہے بلکہ "ولایت "کا عمومی ہونا فقہاء کے نزدیک مسلمات یا ضروریات میں سے ہے۔

۱۔ مطہری، مرتضی، آشنائی با علوم اسلامی، انتشارات صدرا، ج ۳، ص ۱۰۰

۲۔ محمد حسن نجفی جواہر الکلام، تحقیق علی آخوندی، تہران دار الکتب الاسلامیہ ۱۳۶۸، ش، ج ۲۱، ص ۳۹۷

۳۔ دیوان امامؑ، ج ۲۱، ص ۱۷۸

وہ ایک اور مقام پر اظہار فرماتے ہیں کہ ائمہ معصومین کی نیابت فقیہ کے لیے بہت سارے موارد میں اس طرح ثابت ہے کہ امام اور فقیہ کے منصب میں کوئی فرق نظر نہیں آتا اور فقیہ امام کے تمام مناصب میں نائب ہوتا ہے۔ بلکہ یہ دعوی بھی کیا جا سکتا ہے کہ فقہاء کے درمیان ولایت فقیہ ایک مسلم امر اور قطعی مسئلہ ہے کیونکہ فقہی کتب حاکم کی طرف رجوع کرنے سے پر ہیں اور زمانہ غیبت میں حاکم سے مراد نائب امام ہے۔

وہ بیان کرتے ہیں:

فمن الغريب وسوسة بعض الناس في ذلك بل كأنه ما ذاق من طعم الفقه شيئاً ولا فهم من لحن قولهم و رموز هم امراً ولا تأمل المراد من قولهم "ان جعلته عليكم حاكما وقاضياً وحجة وخليفة" ونحو ذلك مما يظهر منه ارادة نظم زمان الغيبة لشيعتهم في كثير من الأمور الراجعة اليهم ولذا جزم فيما سمعته من المراسم بتفويضهم (ع) لهم في ذلك نعم لم يأذنوا لهم في زمن الغيبة ببعض الأمور التي يعلمون عدم حاجتهم اليها كجهاد الدعوة المحتاج الى سلطان وجيوش و امراء ونحو ذلك مما يعلمون قصور اليد فيها عن ذلك ونحوه[1]

ترجمہ: ولایت فقیہ میں بعض لوگوں کا شک کرنا بڑا عجیب ہے بلکہ ایسا لگتا ہے کہ انھوں نے فقہ کا ذائقہ ہی نہیں چکھا اور معصومین کے اقوال اور کلمات کے مفہوم اور رموز کو سمجھا ہی نہیں ہے۔ انھوں نے ان کے اس قول میں غور و فکر نہیں کیا کہ ”میں انھیں تم پر حاکم، قاضی، حجت اور خلیفہ قرار دیتا ہوں" اسی طرح دیگر اقوال جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ زمانہ غیبت میں شیعوں کے امور کو منظم کرنے کے لیے فقہاء کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ جیسا کہ میں نے سنا ہے سلار نے اسی وجہ سے اپنی کتاب "المراسم" میں قاطعانہ رائے قائم کی ہے کہ ائمہ نے یہ امور فقہاء کو تفویض کر دیے ہیں۔ البتہ چند چیزیں ایسی بھی ضرور موجود ہیں جن میں زمانہ غیبت میں ائمہ نے فقہاء کو اجازت نہیں دی ہے۔ اور یہ وہ امور ہیں جن کی فقہاء کو ضرورت ہی پیش نہیں آنا تھی۔ مثال کے طور پر ”دعوت جہاد" کہ جس میں بادشاہ، لشکر اور لشکر کے سپہ سالاروں وغیرہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان امور میں معصومین کو علم تھا کہ یہ چیزیں فقہاء کے پاس نہیں ہوں گی۔

۱۔ دیوان امام، ج ۲۱، ص ۳۹۶

آیت اللہ حاج آقا رضا ہمدانی قدس سرہ فرماتے ہیں:

مجتہدین و فقہاء کے اقوال میں تحقیق و جستجو سے واضح ہوتا ہے کہ فقہ کے ہر باب میں فقیہ کی ولایت مسلمہ امور میں سے ہے۔[1]

مرجع بزرگ آیۃ اللہ العظمی نائینی قدس سرہ نے اپنی کتاب "تنبیہ الأمہ وتنزیہ الملۃ" میں فرمایا ہے کہ مذکورہ فرائض (یعنی نظام اسلام کی حفاظت، مرکز اسلام کی حفاظت و دفاع اور ممالک اسلامیہ کا انتظام) میں بطور نائب عام فقہاء کی نیابت مذہب شیعہ کے قطعی امور میں سے ہے۔[2]

جن بزرگ فقہاء نے ولایت فقیہ پر امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ سے پہلے بحث کی ہے ان میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ آیۃ اللہ العظمی محقق نراقی طاب ثراہ نے اپنی کتاب " عوائد الایام " میں اپنی آراء کا اظہار کیا ہے۔[3]

۲۔ شیخ اعظم مرتضی انصاری (متوفی ۱۲۸۱ھ) ولایت فقیہ کے مسئلہ کو مختلف مقامات پر زیر بحث لائے ہیں۔ بطور مثال تنازعات اور یتیم بچوں کے اموال کی دیکھ بھال میں جب ان کا کوئی سر پرست موجود نہ ہو، اسی طرح غائب اور گمشدہ اموال کی حفاظت کے موضوعات میں اپنی کتاب مکاسب میں امام مہدی کی درج ذیل توقیع سے ولایت فقیہ کے ثبوت پر استدلال قائم کرتے ہیں۔ توقیع یوں بیان ہوئی ہے :

عن محمد بن عصام، عن محمد بن یعقوب، عن اسحاق بن یعقوب، قال: سالت محمد بن عثمان العمری ان یوصل لی کتاباً قد سئلت فیہ عن مسائل اشکلت علی فورد التوقیع بخط مولانا صاحب الزمان۔ اما ما سألت عنہ ارشدك اللہ---واما الحوادث الواقعة فارجعوا فیہا الی رواۃ حدیثنا. فانہم حجتی علیکم وانا حجۃ اللہ[4]

یعنی: جہاں تک پیش آنے والے حوادث کا تعلق ہے تو ان میں ہماری احادیث کے بیان کرنے والوں کی طرف رجوع کرو، وہ تم پر میری حجت ہیں اور میں اللہ کی حجت ہوں۔

۱۔ مصباح الفقیہ ص ۱۶۱

۲۔ نائینی، محمد حسین، تنبیہ اللہ وتنزیہ الملہ ص ۴۶

۳۔ نراقی، احمد، عوائد الایام، قم مکتبہ بصیرتی، ۱۴۰۹ ہجری، ص ۱۸۶

۴۔ وسائل الشیعہ، ج ۱۸، ص ۱۰۱، روایت ۳۳۴۲۶۹، ابواب صفات قاضی

مرحوم شیخ اعظم انصاری مذکورہ بالا توقیع شریف سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

والحاصل ان لفظة الحوادث ليس مختصاً بما اشتبه حكمه ولا بالمنازعات[۱]

یعنی: خلاصہ یہ ہے کہ حوادث (واقعات) کا لفظ تنازعات اور مشتبہ حکم سے مختص نہیں ہے۔

چند سطروں کے بعد فرماتے ہیں:

وعلى اى تقدير، فقد ظهر مما ذكرنا ان ما دل عليه هذه الادلة هو ثبوت الولاية للفقيه في الأمور التي يكون مشروعية ايجادها في الخارج مفروغاً عنها بحيث لو فرض عدم الفقيه كان على الناس القيام بها كفاية[۲]

یعنی: بہر حال، جو کچھ بیان ہوا ہے اس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ یہ دلائل جس امر پر دلالت کرتے ہیں وہ فقیہ کے لیے اُن اُمور میں ولایت کا ثبوت ہے کہ جن کی معاشرے میں انجام دہی کا جواز مسلم ہے۔ یہاں تک کہ اگر فقیہ دستیاب نہ ہو تو خود لوگوں پر ان امور کی انجام دہی واجب کفائی ہو گی۔

اسی طرح انھوں نے دیگر کتب میں بھی تفصیل سے ولایت فقیہ پر بحث کی ہے۔[۳]

۳۔ آیۃ اللہ العظمی محقق نائینی قدس اللہ نفسہ الترکیہ نے "تنبیہ الامہ" میں ولایت فقیہ پر روشنی ڈالی ہے۔[۴]

۴۔ آیۃ اللہ العظمی بروجردی اعلی اللہ مقامہ نے اپنی کتاب "البدر الزھر" میں اختصار سے ولایت فقیہ کو موضوع بحث بنایا ہے۔[۵]

حضرت امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالی علیہ نے اپنی کتاب "البیع" کی دوسری جلد میں جو آپ نے اپنے ہاتھوں سے تحریر فرمائی، "ولایت فقیہ" اور حکومت اسلامی" کی تشکیل کی ضرورت پر بہت سے عقلی و نقلی دلائل بیان کیے ہیں۔ آپ نے پہلی

۱۔ مرتضی انصاری، المکاسب، ج ۳، قم مجمع الفکر الاسلامی ۱۴۲۰ ہجری، ص ۵۵۵، ص ۵۵۷

۲۔ مرتضی انصاری، المکاسب، ج ۳، قم مجمع الفکر الاسلامی ۱۴۲۰ ہجری، ص ۵۵۷

۳۔ مرتضی انصاری، کتاب زکوۃ، قم، لجنۃ التحقیق، ۱۴۱۵ ہجری، ص ۳۵۴-۳۵۷

۴۔ نائینی، محمد حسین، تنبیہ اللہ و تنزیہ الملۃ، شرکت سہامی انتشار، ص و تنزیہ ۴۶

۵۔ منتظری، حسین علی، البدر الزاہر فی صلاۃ الجمعۃ والمسافر (تقریرات درس آیت اللہ العظمی بروجردی) / قم، انتشارات دفتر تبلیغات اسلامی، ص ۵۲-۵۷

مرتبہ اس موضوع کو کامل ترین اور موثر انداز میں بیان کیا ہے جس کی ماضی میں مثال نہیں ملتی۔ آپ نے اس موضوع کے تمام پہلوئوں پر سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔

آپ نے اس موضوع کو جس روشن، واضح اور مدلل طریقے سے پیش کیا ہے، اب کسی کے لیے اس میں شک وتردید کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ اس کتاب میں اسلامی حکومت کی ضرورت اور اس کی تشکیل پر اس قدر زور دیتے ہیں کہ اسلام کو حکومت کے بغیر کچھ نہیں جانتے۔ وہ فرماتے ہیں:

بل یمکن ان یقال: الاسلام هوا الحکومة بشؤونها والاحکام قوانین الاسلام وهی شان من شئونها. بل الاحکام مطلوبات بالعرض و أمور الیه لاجراءها وبسط العدالة فکون الفقیه حصناً للاسلام کحصن سور المدینة لها لا معنی لها الا کونه والیان نحوما الرسول الله وللأئمة من الولایة علی جمیع الأمور السلطانیه[1]

ترجمہ: بلکہ ممکن ہے کہ یوں کہا جائے کہ اسلام اپنے تمام پہلوؤں سے حکومت ہی کا نام ہے، اور احکام تو اسلام کے قوانین اور اس کا تنہا ایک پہلو شمار ہوتے ہیں۔ بلکہ احکام اور قوانین تو ثانوی طور پر مطلوب ہیں جن کا مقصد حکومت کا نفاذ اور عدل وانصاف کا قیام، پس فقیہ کا اسلام کے لیے ایسے حصار اور قلعہ کی مانند ہونا جیسا شہر کی دیوار ہوتی ہے، اس کا مطلب اور مراد یہی ہے کہ وہ حکومتی امور میں اسی طرح ولایت رکھتے ہیں جس طرح رسول خدا اللہ اسلام اور ائمہ ھدیٰ ولایت رکھتے تھے۔

مذکورہ کتاب کے کچھ مطالب آپ کی کتاب حکومت اسلامی میں موجود ہیں۔ حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ کی کتاب آپ کے بارہ دروس پر مشتمل ہے جو آپ نے نجف اشرف میں دیئے تھے۔ اس نظریے کے متعلق امام قدس سرہ کی انفرادیت یہ ہے کہ انھوں نے اس نظریے کے نفاذ کے لیے عملی جد و جہد فرمائی اور صرف مسئلے کو بیان کر دینے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ عملی میدان میں وارد ہو کر ولایت فقیہ کے خواب کو شرمندہ تعبیر کیا۔

حکومت اسلامی کتاب میں مختلف ادلہ کو بیان کرتے ہوئے جب اس روایت "الفقهاء أمناء الرسول مالم یدخلوا فی الدنیا" یعنی: "فقہاء انبیاء کے امین ہیں"[2] کو بیان کیا تو اس کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ امین کے معنی یہ ہیں کہ فقہاء تمام اسلامی قوانین کا امانت کے ساتھ نفاذ کریں نہ یہ کہ صرف مسئلے کو بیان کرتے رہیں۔ کیا امام صرف مسئلہ گو تھے اور

۱۔ امام خمینی کتاب البیع قم اسماعیلیان، ۱۳۱۰ ہجری ج ۲، ص ۴۷۲

۲۔ اصول کافی، ج ۱، ص ۵۸ کتاب فضل العلم باب المستاکل بعلمہ اولم باحی بہ، حدیث ۵

صرف حکم بیان کر دیا کرتے تھے؟ کیا انبیا: صرف مسئلے بتاتے تھے؟ اس لیے فقہاء بھی مسئلہ بتانے میں ان کے امین رہیں؟ قوانین واحکام کے بیان کے ساتھ انبیاء کا اہم ترین فریضہ احکام کا نفاذ اور حکومت تھا۔

حضرت امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ یہاں حضرت امام رضاؑ کی ایک روایت کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت بطور کلی بیان فرمارہے ہیں کہ لوگوں کے لیے امام قیم امین کا ہونا ضروری ہے اور اس روایت میں ارشاد ہے کہ فقہاء انبیا کے امین ہیں۔ اس صغری وکبری کا نتیجہ یہ ہے کہ فقہاء کا رئیس ملت ہونا اس لیے ضروری ہے تاکہ اسلام کے احکام مٹنے نہ پائیں۔

عالم اسلام میں چونکہ فقہاء کی حکومت نہیں ہے اس لیے اسلام ناپید ہو گیا ہے۔ اس کے احکام معطل ہو گئے ہیں، اسلامی ممالک میں اسلامی قوانین نافذ نہیں ہو رہے حدود جاری نہیں کیے جارہے، نظم اسلام برباد ہو رہا ہے، ہرج و مرج عام ہے۔ کیا ان باتوں سے اسلام پرانا نہیں ہو گیا؟ کیا اسلام یہی ہے کہ صرف کتابوں میں لکھ دیا جائے؟ مثلاً کافی[1] لکھ کر ایک سائیڈ پر رکھ دیا جائے اگر عملی طور پر احکام کا اجرا نہ ہو، حدود جاری نہ ہوں، ستم گر اور ظالم افراد اپنے کیفر کردار تک نہ پہنچیں اور صرف قرآن کو چوم کر رکھ دیں اور شب جمعہ سورہ یسین کی تلاوت کر لیں تو بس یہ کافی ہے؟ کیا اس سے اسلام کے احکام محفوظ ہو گئے؟

چونکہ ہم میں سے بہت سوں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ اسلامی ممالک امت مسلمہ کے زیر انتظام پروان چڑھیں، نتیجہ یہ نکلا ہے کہ نہ صرف اسلامی ممالک میں نظم برقرار نہیں ہے اور اسلامی قوانین کی جگہ ظالمانہ قوانین رائج ہیں، بلکہ اسلام خود اہل علم کے ذہنوں میں کہنہ ہو گیا ہے۔ کیا یہ فقہاء پر لازم نہیں ہے کہ احکام اسلام کو معطل نہ ہونے دیں، فساد پھیلانے والوں کو بغیر سزا کے نہ چھوڑیں۔ حکومت کی آمدنی اور اخراجات میں گڑبڑ نہ ہونے دیں۔ بڑی واضح کی بات ہے کہ ان چیزوں کے لیے امین کی ضرورت ہے اور فقہاء کا فریضہ امانت داری ہے۔[2]

حضرت امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک اور مقام پر حکومت اسلامی کے قیام کو واجب کفائی اور جب وہ کسی فرد میں منحصر ہو جائے تو اسے واجب عینی فریضہ قرار دیا ہے۔ آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ کسی جاندار انداز میں مسئلے کی اہمیت کو امام نے واضح کیا ہے اور اسی شدت کے ساتھ آپ نے اس کے عملی نفاذ کے لیے بھی جہد وجہد کی ہے۔

بالآخر حکومت اسلامی کے قیام کا سہرا امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کے سر سجا، جس حکومت کی امیر المومنین۔ کی شہادت کے بعد سے آرزو تھی، چودہ صدیاں گزرنے کے بعد یہ عظیم کارنامہ امام خمینیؒ کے ہاتھوں انجام پایا۔ ہمارے

۱۔ حدیث کی مشہور کتاب ہے۔

۲۔ حکومت اسلامی، ص ۵۳

لاکھوں سلام ہوں ایسے مرد مجاہد پر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے زمانے کے فقہاء پر فضیلت بخشی۔ ولایت فقیہ کے عنوان سے امام رضوان اللہ علیہ کی بعض آراء کچھ فقہاء کی آراء سے مختلف ہیں۔

امام رضوان اللہ علیہ جامع شرائط فقیہ کو قرآن و سنت کے دلائل کی روشنی میں معصومین کی طرف سے منصوب سمجھتے ہیں، یعنی فقیہ کی ولایت ان دلائل سے ثابت ہوتی ہے جو اسلامی احکام کے نفاذ اور امت مسلمہ کی رہبری کی ذمہ داری فقیہ کے کاندھوں پر ڈالتی ہیں۔ البتہ یہ نصب عام ہے جب کہ کچھ دیگر فقہاء دلیل عقلی سے اس کو ثابت کرتے ہیں، ان کے نزدیک دلیل نقلی نہیں ہے۔ ولی فقیہ کے اختیارات اور دائرہ کار کے حوالے سے امام خمینی رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کا نظریہ ملاحظہ ہو:

> اگر کوئی شخص جس میں قانون دانی (اجتہاد) اور عدالت کی صفات پائی جائیں اور وہ حکومت تشکیل دے تو معاشرے کے امور کو چلانے کے لیے جو ولایت رسولؐ کے پاس تھی اس ولایت کا یہ شخص بھی حامل ہو گا اور تمام لوگوں پر اس کی اطاعت واجب ولازم ہو گی۔ حکومت چلانے، قاضی اور گورنروں کو معین کرنے، فوج کی تیاری، مالیات وصول کرنے اور اُسے مسلمانوں کے مفاد میں خرچ کرنے کی ولایت اور اختیارات جو حضور اکرمؐ اور ائمہ معصومینؑ کو حاصل تھے وہی اختیارات خدا نے موجودہ حکومت کو دیے ہیں، (موجودہ حکومت سے) میری مراد عالم عادل ہے: زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ کوئی شخص معین نہیں ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ جس ولایت کے مالک تھے غیبت کے بعد فقیہ عادل اس ولایت کا مالک ہے۔ اس جملہ سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو کہ جو مقام ائمہ معصومین کا ہے وہی مقام فقیہ عادل کا ہے۔ کیونکہ مقام و منزلت کی بحث نہیں ہو رہی ہے۔ بلکہ ذمہ داری اور مسئولیت کی بحث ہے۔ ولایت یعنی تمام دنیا پر حکومت اور شرع مقدس کے قوانین کا جاری کرنا، ایک سنگین اور اہم ترین فریضہ ہے۔ نہ یہ کہ عہدہ پانے والا کسی غیر معمولی مقام و منزلت کا حامل ہو جاتا ہے۔ یہ عظیم عہدہ ہے، ولایت فقیہ امور اعتباری میں سے ہے اور یہ ایک عقلائی اعتبار ہے۔

اس کے برعکس بعض فقہاء ولایت فقیہ کے دائرہ اختیار کو امور حسبیہ میں محدود کرتے ہیں۔ امور حسبیہ سے مراد معاشرے کے ایسے کام ہیں جن کے بارے میں ہمیں علم ہے کہ شارع مقدس نے ان کی انجام دہی چاہی ہے اور ان کے معطل ہونے اور انجام نہ پانے پر راضی نہیں ہے۔ جیسے بغیر سرپرست بچے کے مال کی حفاظت، موقوفات کی حفاظت، مجہول المالک کے مال کو صرف کرنا وغیرہ ہیں۔ ان سب امور کی سرپرستی فقیہ جامع الشرائط کے ذمہ ہے۔ بچے کے اموال کا نگران، موقوفات پر سرپرست مقرر کرنا اور مال مجہول المالک کو خرچ کرنے کے لیے فقیہ کی اجازت ضروری اور لازم ہے۔

اسی طرح اسلامی مراکز اور مسلمانوں کا دفاع، حدود کا اجرائی، قضاوت، نظام کی حفاظت جوانوں کو اخلاقی انحرافات سے بچانے اور اسی طرح دیگر امور بھی جو امت کے مصالح عامہ میں سے شمار ہوتے ہیں، امور حسبیہ میں شامل ہیں۔ فقہاء ان امور میں ولایت رکھتے ہیں اور ان امور میں بلاواسطہ یا بالواسطہ دخیل ہیں۔[1]

فقیہ کے دائرہ کار کے متعلق آیۃ اللہ جوادی عاملی فرماتے ہیں :

> جہاں جہاں تک فقہ کا دائرہ کار ہے، وہاں وہاں تک فقیہ کا دائرہ کار بھی ہونا چاہیے۔ اب اگر ہمیں ولایت فقیہ کے دائرہ کار کو سمجھنا ہے تو اسے فقہ کے دائرہ کار اور نفوذ کی روشنی میں تلاش کرنا ہوگا، جس حد تک فقہ میں وسعت پائی جاتی ہے اس حد تک فقیہ کی ذمہ داریاں بھی ہیں۔

آخر میں ولایت فقیہ کے ضمن میں تین نکات کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔ بعض احباب کی جانب سے یہ سوال اٹھایا جاتا ہے کہ جب ولی فقیہ سب کے لیے ہے اس کی اطاعت بھی ہم سب پر واجب ہے تو پھر ان کے انتخاب میں ایران سے باہر پاکستان یا دیگر ممالک کے علماء کو شریک کیوں نہیں کیا جاتا ؟

اس کا جواب تفصیلی ہے، لیکن یہاں اختصار کے پیش نظر اس کا مختصر جواب دیا جاتا ہے کہ "ولی فقیہ " کا انتخاب نہیں ہوتا، یہ ایسا عہدہ ہے جس پر شخص نصب کیا جاتا ہے اور عمومی طور پر اس کے لیے صلاحیت اور اہلیت رکھتے ہیں۔ اب جس کے لیے وسائل اور طاقت مہیا ہو گی اور وہ فقیہ عادل حکومت تشکیل دینے میں کامیاب ہو گیا وہی اس منصب پر فائز ہو گیا۔ دیگر فقہاء کی جانب سے اس کا انتخاب معنی نہیں رکھتا۔ وہ ائمہ اطہار کی طرف سے منصوب ہے۔ مجلس خبرگان کا کردار فقیہ عادل کی تشخیص ہے، انتخاب نہیں ہے۔

بعض افراد اس نکتے کو اٹھاتے ہیں کہ ولی فقیہ کے لیے مدت کا تعین ہونا چاہیے ایک شخص کے تاحیات رہنے سے قباحتیں پیدا ہوتی ہیں۔ عام عہدوں کے لیے یہ بات صحیح ہے لیکن الٰہی عہدہ کے لیے یہ منطق کارفرما نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے بالخصوص ولایت فقیہ کے منصب کے لیے ائمہ ہدی + نے کچھ معیار اور شرائط مقرر کی ہیں وہ شرائط مجتہد ہونا، عادل ہونا، دنیا پر حریص نہ ہونا، مدیر و مدبر ہونا، معاشرتی امور میں فہم و فراست ہونا، بابصیرت ہونا، وغیرہ ہیں۔

اب جب تک یہ شرائط اور صلاحیت موجود ہے وہ اُس عہدہ پر برقرار رہ سکتا ہے، لیکن اگر وہ ان معیارات اور شرائط میں سے کسی ایک کا فاقد ہو جاتا ہے تو وہ خود بخود معزول ہو جاتا ہے۔ مثلاً احکام اسلامی کی خلاف ورزی یا حریص دنیا،

۱۔ امام کتاب البیع، ص ۴۱۷

یا دنیا کو دین پر ترجیح وغیرہ تو وہ خود بخود معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا۔ البتہ یہاں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر ولی فقیہ امین نہ ہو، یا حریص دنیا ہو تو ولایت کے مقام سے خود بخود معزول ہو جاتا ہے تو جو اشخاص ولایت فقیہ کے نظام اور بالخصوص ولی فقیہ کی نمائندگی کا فریضہ انجام دیتے ہیں ان کے لیے بھی یہ امر قابل غور ہے کہ اگر خدانخواستہ وہ بھی امین نہ رہیں، دنیاپرست ہو جائیں یا ذاتی منافع کو مکتب تشیع کے منافع پر ترجیح دینے لگیں تو ضروری نہیں ہے کہ انھیں معزول کیا جائے بلکہ اگر ان کی ایسی کوئی کوتاہی ثابت ہو جائے تو وہ بھی خود بخود اپنے مقام و منصب سے عزل ہو جائیں گے۔ آخری نکتہ یہ ہے کہ ولی فقیہ کی حکومت مطلقہ نہیں ہے بلکہ مشروط ہے۔ مشروط سے مراد یہ ہے کہ حکومت کرنے والے افراد قرآن و سنت کی شرائط کے پابند ہوں گے اور قوانین اسلام کی پابندی ان پر لازم ہو گی ولی فقیہ کے احکام قرآن و سنت اور دیگر اسلامی مصادر کی روشنی میں ہوں گے۔ میں ان کی ذاتی اور شخصی رائے ہر گز شامل نہیں ہو گی۔ ولی فقیہ کا حکم خود ان پر بھی لازم الاتباع ہو گا، انھیں بھی اس حکم کی اطاعت کرنا ہو گی۔ اس لحاظ سے ولی فقیہ کی حکومت در حقیقت لوگوں پر الٰہی قوانین کی حکومت ہے، اسلامی قانون کی حکمرانی ہے جس کا انحصار اللہ تعالیٰ پر ہے۔

پس ولی فقیہ کی حکومت وحی کی حکومت ہے۔ ذاتی حکومت نہیں ہے کہ وہ تمام قباحتیں جو دیگر ذاتی حکومتوں میں پیش آتی ہیں یہاں بھی پیش آئیں، یہاں اللہ کی حکمرانی ہے اور بس آخر میں ان مطالب کی تائید کے لیے امام راحل کی کتاب "حکومت اسلامی" سے اقتباس پیش کرتا ہوں:

> در حقیقت اسلامی حکومت قانون کی حکومت ہوتی ہے۔ اس لیے قانون دان بلکہ دین شناس ہی کو اس کا سربراہ ہونا چاہیے۔

فقہاء ہی کو ملک کے انتظامی اور اجراء کے امور کا نگران ہونا چاہیے۔ یہی حضرات احکام الٰہی کے اجراء، اخذ مالیات، سرحدوں کی حفاظت اور حدود و تعزیرات کے نفاذ کے امین ہیں۔ انھیں چاہیے قانون اسلام کو معطل یا اجراء میں کمی وزیادتی نہ ہونے دیں۔ اگر فقیہ زانی کو حد لگانا چاہے تو شریعت کے معین کردہ طریقہ پر لوگوں کے درمیان سو تازیانے لگائے وہ ایک تازیانے کی کمی یا زیادتی کا حق نہیں رکھتا۔

اسی طرح مالیات کے وصول کرنے میں اسلامی قاعدے پر عمل کرے ایک پائی زیادہ لینے کا حق نہیں رکھتا، اُسے چاہیے کہ بیت المال میں ہرج و مرج نہ ہونے دے۔ اگر نعوذ باللہ فقیہ اسلام مخالف امور کا مرتکب ہو جائے مثلاً فاسق ہو جائے تو خود

بخود حکومت سے معزول ہو جائے گا۔ کیونکہ اب وہ امین نہیں رہا ہے۔[1]

خلاصہ یہ کہ امام خمینیؒ رضوان اللہ تعالیٰ علیہ کی نظر میں ولایت فقیہ اسلام اور اسلامی مراکز کے تحفظ کی ضمانت ہے۔ قوانین الٰہی کا اجراء نظام ولایت فقیہ کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ اسلام اور اسلامی معاشرے کا حقیقی اور معنوی ارتقاء حتی کہ مادی ترقی اسی نظام کے تحت ہی ہو سکتی ہے۔ ظلم واستبداد کا خاتمہ اسی نظام کے تحت ہو سکتا ہے۔

نظریہ ولایت فقیہ کے حوالے سے چند سوالات کا جواب

۱۔ کیا اسلامی جمہوریہ ایران کے رہبر اور ولی فقیہ کی ولایت اور حاکمیت صرف ایرانی عوام پر ہے یا دنیا بھر کے شیعہ عوام پر؟

جواب: اس سوال کا جواب بہت واضح ہے اور وہ یہ کہ ولی فقیہ کو نہ فقط ایرانی عوام پر بلکہ دنیا بھر کے شیعوں پر ولایت حاصل ہے۔ جس طرح ایک فقیہ کا فتویٰ فقط اس کے ملک میں بسنے والے مومنین کے لیے نہیں ہوتا بلکہ پوری دنیا میں اس کے مقلدین کے لیے واجب العمل ہوتا ہے، اسی طرح فقیہ کی ولایت بھی فقط اس کے ملک میں بسنے والوں کے لیے نہیں بلکہ پوری دنیا کے شیعوں کے لیے ہوگی۔

۲۔ اگر ولی فقیہ کی ولایت دنیا بھر کے شیعہ عوام پر ہے تو کیا یہ دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں دخالت نہیں ہو گی؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ ولی فقیہ کی ولایت پوری دنیا کے شیعہ عوام پر ہے لیکن اس کا کسی طور یہ مطلب نہیں بنتا کہ ولی فقیہ دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرے۔ اس جواب کی مزید وضاحت نیچے دیے گئے سوال کے جواب میں ملاحظہ فرمائیے!

۳۔ چونکہ ولی فقیہ اپنے زیر ولایت افراد کے مفادات کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے، لہٰذا دوسرے ممالک میں رہنے والے شیعوں کے بارے میں ولی فقیہ اپنی ذمہ داریاں کیسے ادا کرے گا؟

جواب: اس میں شک نہیں کہ ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کے ایمان اور عقائد کی حفاظت، ولی فقیہ کی ذمہ داری ہے؛ یہاں تک کہ ان کے جان ومال و ناموس کی حفاظت بھی حتی الوسع ولی فقیہ کی ذمہ داری ہے لیکن ولی فقیہ موجودہ سیاسی جغرافیائی سرحدوں کے ہوتے ہوئے کبھی بھی یہ فریضہ مستقیم طور پر اور بلا واسطہ

۱۔ حکومت اسلامی، ص ۵۷

(Direct) انجام نہیں دیتا۔ بلکہ ہر ملک اور علاقے میں رہنے والے مومنین میں سے ایک یا کئی آگاہ، بصیر، دین دار اور مکتب تشیع سے وفادار افراد کو اپنے نمائندو کے طور پر معین کرتا ہے جو اپنے علاقے اور ملک کے حالات، قوانین اور شرائط کی روشنی میں اپنے مفادات کا خود تحفظ کرتے ہیں۔

دوسرے ممالک کے اندرونی معاملات میں مداخلت سے بچنے ہی کی غرض سے ولی فقیہ ان ممالک میں رہنے والے شیعہ عوام کی رہنمائی کی ذمہ داری خود انہی میں سے شائستہ افراد پر ڈال دیتا ہے اور خود تنہا شرعی نقطہ نظر سے اپنے نمائندوں کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔ یوں ولی فقیہ کی نمائندگی میں کیے گئے فیصلوں اور اقدامات کو شرعی جواز بھی مل جاتا ہے اور دوسرے ممالک کی داخلی معاملات میں مداخلت بھی نہیں ہوتی؛ بالکل اسی طرح جب آپ ایک مجتہد کی اجازت سے خمس و زکاۃ وغیرہ کو اپنے ہی علاقے میں استعمال کرتے ہیں تو آپ کے اس تصرف کو شرعی جواز مل جاتا ہے اور آپ خدا کی بارگاہ میں جوابدہ نہیں ہوتے۔

اجتماعی اور قومی امور میں بھی جب کسی ملک کے بسنے والے اپنے ملکی قوانین اور سیاست کی روشنی میں اپنے قومی مفادات اور ملی مذہبی مفادات کا ولی فقیہ کے نمائندہ یا نمائندگان کی رہنمائی میں دفاع کرتے ہیں تو ان کے اقدامات کو شرعی جواز حاصل ہوتا ہے اور اس جواز کے آجانے کے بعد وہ اپنی ذمہ داریوں کی انجام دہی پر ثواب کے مستحق بھی قرار پاتے ہیں اور ان کی محنتیں اور قربانیاں بھی بارگاہ الٰہی میں قابل قبول واقع ہوتی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ نمائندگی کے اس نظام سے دوسرے ممالک میں ولی فقیہ کی مداخلت بھی پیش نہیں آتی ہے اور دوسرے ممالک میں بسنے والے شیعیان حیدر کرار کو ایک مرکز اور ایک رہبری بھی مل جاتی ہے نیز وہ دشمنان مکتب کی سازشوں اور مکتب تشیع کے دشمنوں کے مقابلے میں اپنے مکتب کا بہتر دفاع کر سکتے ہیں۔

۴۔ ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کے لیے ولی فقیہ کی ذمہ داریاں اور فرائض کیا ہیں؟

جواب: اس سوال کا جواب مذکورہ بالا سوال کے جواب کی روشنی میں انتہائی واضح ہے۔ ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کے لیے ولی فقیہ کی ذمہ داری یہی ہے کہ وہ ایسی تدابیر کرے کہ جن کی روشنی میں ایران سے باہر رہنے والے شیعہ افراد کا ایمان، ان کا مکتب اور ان کی ناموس، جان و مال محفوظ رہ سکیں۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی اس آرزو میں کامیاب بھی رہے۔ اگر انبیاء اور ائمہ طاہرین نے بھی اکثر اوقات وقت کے طاغوتوں کی سازشوں اور بعض بکے ہوئے عناصر کی غداریوں کی وجہ سے اپنے ماننے والوں کا کماحقہ دفاع نہ کر سکے تو عین ممکن ہے کہ ولی فقیہ بھی طاغوتوں اور ظالموں کے شر سے اہل بیت اطہار کے ماننے والوں کا کماحقہ دفاع نہ کر سکے۔

۵۔ ولایت فقیہ کے حوالے سے ایران سے باہر رہنے والے شیعوں کا فریضہ کیا ہے؟ظاہر سی بات ہے اگر وہ ولی فقیہ کی بلا چون و چرا اور غیر مشروط حمایت کریں گے تو انہیں کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا؟

جواب: اس سوال کا جواب بھی بڑا واضح ہے کہ ایران سے باہر رہنے والے شیعوں کا فریضہ یہی ہے کہ وہ نظریہ ولایت فقیہ کو سمجھیں، اس پر ایمان لے آئیں، اس کا دفاع کریں اور جاہلوں کے جھانسے میں نہ آئیں۔ انھیں معلوم ہونا چاہیے کہ یہ نظریہ ان کی عزت و سر افرازی کا عامل ہے اور انھیں وحدت و یگانگی عطا کرتا ہے۔ اس حوالے سے ممکن ہے انھیں بعض مشکلات کا سامنا کرنا پڑے لیکن سوال یہ ہے کہ جب انسان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑ جائے تو کیا وہ اللہ کے دین کو چھوڑ دیتا ہے؟

جب ولایت فقیہ کا نظریہ، خالصتا دینی نظریہ ہے اور قاطع شرعی دلائل سے ثابت شدہ ہے تو پھر اسے اپنانے میں چند مشکلات کا سامنا کرنے میں کیا حرج ہے؟! اگر اس دنیا میں لوگ ابلیس کی بلا چون و چرا حمایت کر سکتے ہیں، امریکا جیسے عالمی ڈکٹیٹر کی بلا چون چرا حمایت کر سکتے ہیں تو مکتب رسولؐ کے ایک مدافع کی حمایت کیوں نہ کریں؟! اس میں ہمارے سر پہ قیامت ہی کیوں نہ ہو!

۶۔ بنیادی طور پر انفال ۷۲: ---وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّى يُهَاجِرُوا کی روشنی میں جو اسلامی حکومت کی طرف ہجرت ہی نہ کریں ان کی سرپرستی اسلامی حکومت کیسے کر سکتی ہے؟ اس آیت کی روشنی میں غیر اسلامی معاشروں میں رہنے والے مسلمانوں کا ولایت کے ساتھ کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ غیر اسلامی معاشروں میں رہنے والے مسلمانوں پر فقیہ کی ولایت ثابت نہیں ہے۔

جواب: سب سے پہلے تو اس آیہ شریفہ کا ولایت فقیہ کی بحث سے کوئی ربط ہی نہیں ہے۔ یہ آیت صدر اسلام کے مخصوص حالات کی ترجمانی کر رہی ہے اور اس آیت میں بحث ان مسلمانوں کے بارے میں ہے جو غیر اسلامی معاشرہ میں رہ رہے ہوں، وہاں دین مبین اسلام کے احکام پر عمل نہ کر سکتے ہوں اور اسلامی معاشرے کی طرف ہجرت کر سکنے کے باوجود اسی مشرکانہ معاشرے میں رہنے پر بضد ہوں تو ایسے لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے کسی حمایت کے مستحق نہیں ہیں اور نہ ہی مسلمان ان کے ولی ہیں۔

بنا برایں، اس آیت سے کسی طور یہ ثابت نہیں ہوتا کہ اگر کچھ لوگ غیر اسلامی معاشرے میں زندگی گزار رہے ہوں اور انھیں مذہبی آزادی بھی حاصل ہو تو ایسے لوگوں پر فقیہ کی ولایت ثابت نہیں ہے۔ علاوہ برایں، اسلامی معاشرے اور غیر اسلامی معاشرے میں بھی فرق ہے۔ بالفرض یہ آیت غیر اسلامی معاشروں میں بسنے

والے مسلمانوں کے لیے فقیہ کی ولایت کی نفی کر بھی رہی ہو، تب بھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اسلامی معاشروں میں رہنے والوں کا بھی ولایت کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں ہے۔ اگر یہ سوال پوچھنے والے پاکستان کے اسلامی معاشرے میں رہ رہے ہیں تو کم از کم ان کا تو ولایت سے رشتہ ہونا چاہیے۔ نہیں معلوم یہ سوال پوچھنے والے اسلام اور پاکستان کے اسلامی معاشرے سے اپنا رشتہ توڑنے پر اتنے بضد کیوں ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ خود کو اس معاشرے کا فرد ہی تصور نہیں کرتے۔

۷۔ اگر غیر اسلامی معاشروں میں بسنے والے کچھ لوگ ایران کی طرف ہجرت کرنا چاہیں تو کیا ولی فقیہ انھیں خوش آمدید کہیں گے؟

جواب: غیر اسلامی معاشروں میں بسنے والے مؤمنین، ان معاشروں میں اسلام اور مکتب تشیع کے مبلغ اور نمائندوں کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انھیں چاہیے کہ جہاں کہیں بھی ہیں وہیں رہتے ہوئے اپنے دین و مکتب پر کامل طور پر کاربند رہیں۔ جب غیر اسلامی معاشروں کے لوگ ان کی سیرت و کردار دیکھیں گے تو وہ بھی مکتب تشیع اپنانے کی طرف مائل ہو جائیں گے۔ ہاں! بعض کیس ایسے ہو سکتے ہیں جن میں ایران کی طرف ہجرت کے خواہشمند حضرات کی درخواستوں پر غور کیا جا سکتا ہے اور اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا ایران یا کسی دیگر مسلمان ملک کی طرف ہجرت کرنا، مکتب اسلام اور خود ان کے حق میں ہے تو ان کی درخواست پر ہر مسلمان ملک منجملہ ایران میں غور کیا جانا چاہیے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ حالات میں یہ عقلمندی نہیں ہوگی کہ ایران سے باہر بسنے والے شیعیان حیدر کرار ایران کی طرف ہجرت کا سوچیں۔ یہ تو امریکا، اسرائیل، یہودیوں اور وہابیوں کی سوچ ہے کہ ہمیں ہمارے ممالک سے نکال باہر کریں۔ ایسے میں اگر وہ لوگ بھی جو خود کو دانشور سمجھتے ہیں، وہ بھی ایران کی طرف ہجرت کا سوچنے لگیں اور دشمن کے نظریات کی ترجمانی کرنے لگیں تو یہ ان کی انتہائی سادگی ہوگی۔ بنیادی طور پر ہر معاشرے میں بسنے والے مسلمان اور شیعہ، اس معاشرے کا حصہ ہیں، اس معاشرے میں رہنا اور اپنے مذہب پر پوری آزادی سے عمل کرنا ان کا بنیادی انسانی حق ہے، کیوں کوئی انھیں ہجرت پر مجبور کر سکتا ہے اور کیوں انھیں ہجرت کا سوچنا چاہیے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ: یہ خیال ہے کسی اور کا اسے سوچتا کوئی اور ہے!

۸۔ مرگ بر ضد ولایت فقیہ کے نعرے کی اخلاقی، شرعی اور قانونی حیثیت کیا ہے؟ اگر کوئی اجتہاد یا تقلید اور ولایت فقیہ کے نظریہ سے اختلاف رکھتا ہو تو آیا وہ واجب القتل ہے کہ اس کی موت کا نعرہ لگایا جائے؟

جواب: اس سوال میں مغالطے سے کام لیا گیا ہے۔ ضد اور مخالف میں فرق ہے۔ اس نعرے میں ضد سے مراد وہ لوگ ہیں جو حضرت امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ جیسے عظیم ولی فقیہ کے قتل کی سازش کر رہے تھے اور اب بھی ایسی سازشوں میں امریکا جیسے عالمی غنڈوں کے آلہ کار بنے رہتے ہیں۔ وہ لوگ جو یہ چاہتے ہیں کہ ولی فقیہ کو صفحہ ہستی سے مٹادیا جائے۔ جہاں تک ولی فقیہ کے نظریاتی مخالفین کا تعلق ہے تو جب سے اسلامی جمہوریہ ایران میں ولایت فقیہ کا نظام قائم ہوا ہے، تب سے آج تک ولایت فقیہ کے نظریہ کے کسی مخالف کو واجب القتل قرار دینا تو کجا، اُن کی زیست کا سامان بھی مہیا ہے۔ اس کی بہترین دلیل ایران کی سرزمین پر ان لوگوں کا وجود ہے جو ولایت فقیہ کے نظریہ کو قبول بھی نہیں کرتے، اس کی نظریاتی مخالفت بھی کرتے ہیں اور پورے امن وسکون کی زندگی بھی گزار رہے ہیں۔[1]

۱۔ بشکریہ مجلّہ نور معرفت اسلام آباد

امام خمینیؒ کی نظر میں تاریخ سے عبرت آموزی کی اہمیت

حجت الاسلام علامہ سید رمیز الحسن موسوی

(ڈائریکٹر ریسرچ سنٹر)

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر میں تاریخ سے عبرت آموزی کی اہمیت

قرآن مجید اور ائمہ طاہرین علیہم السلام کے فرامین میں تاریخ کا مطالعہ کرنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے۔امام علی علیہ السلام نے اپنے فرزند امام حسن علیہ السلام کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ پچھلی قوموں کے احوال کا مطالعہ کر کے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ان کے ساتھ زندگی گزاری ہو۔امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قرآنی تعلیمات اور نہج البلاغہ سے متاثر ہو کر تاریخ کی قدر و منزلت کو سمجھا اور اسے اپنی انقلابی تحریک کی بنیاد بنایا۔ان کے نزدیک تاریخ صرف ماضی کے واقعات کا بیان نہیں بلکہ انسانی علوم کا ایک اہم حصہ ہے جس سے گہرا سیاسی، تاریخی اور اجتماعی شعور پیدا ہوتا ہے۔امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے خود بھی تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنے بیانات میں تاریخی واقعات سے عبرت حاصل کرنے پر زور دیا۔وہ مشروطیت کی تحریک کی ناکامی سے علماء کے درمیان اختلافات کو سب سے بڑی عبرت سمجھتے تھے اور اتحاد کی تاکید کرتے تھے۔ان کی نظر میں تاریخ نویسی ایک ضروری فریضہ ہے لیکن اسے حکمرانوں کی خوشامد یا مذہبی ولسانی تعصّبات سے پاک ہونا چاہیے۔امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے تاکید کی کہ تاریخی اسناد میں صرف خواص کے بیانات پر انحصار نہیں کرنا چاہیے بلکہ عوامی تجربات اور مشاہدات کو بھی اہمیت دینی چاہیے کیونکہ تاریخ عوامی تحریکوں کی بنیاد پر لکھی جانی چاہیے۔ان کے نزدیک تاریخ کا مطالعہ صرف تب فائدہ مند ہے جب اس سے عبرت حاصل کی جائے، جیسا کہ انبیاء کرام کے قصص قرآنی کا مقصد بھی عبرت آموزی ہے۔وہ ائمہ معصومین علیہم السلام کی تاریخ کو صرف ولادت وشہادت کے ایام تک محدود کرنے کے بجائے ان کی سیرت کو اسوہ بنانے اور خودسازی کے لیے مطالعہ کرنے کی دعوت دیتے تھے۔امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلمان حکمرانوں کو بھی ماضی کے استعماری تجربات اور داخلی اختلافات سے سبق حاصل کرنے کا مشورہ دیا تاکہ وہ اسلامی معاشروں کی ترقی اور ظلم واستبداد کے خاتمے کو یقینی بنا سکیں۔زیر نظر تحریر میں موقر محقق حجت الاسلام والمسلمین علامہ رمیز الحسن موسوی نے تاریخ سے عبرت آموزی اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی اس عنوان سے کوششوں کو پیش کیا ہے۔(ادارہ)

خلاصہ:

تاریخ کی اہمیت کے متعلق قرآن مجید میں بہت سی آیات ہیں۔ ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اپنے فرامین میں تاریخ سے عبرت آموزی کی دعوت دی ہے۔ مثلاً امیر المؤمنین علیؑ اپنے گرانقدر فرامین میں تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی قرآن مجید اور نہج البلاغہ جیسی الٰہی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے تاریخ کی قدر و منزلت واہمیت کو سمجھا ہے اور اسی کی روشنی میں اپنی انقلابی تحریک کی رہنمائی کی ہے۔ انسانی علوم میں ایک اہم علم "تاریخ" ہے جس کے بارے میں امام نے جہاں خود بھی گہرا مطالعہ کیا ہے وہاں مطالعہ تاریخ اور تاریخ نویسی کے حوالے سے اہم اُصول وضوابط بھی بیان کیے ہیں اور انہی اُصولوں کی روشنی میں تاریخی مطالعہ کرنے اور بصیرت حاصل کرنے کی تاکید کی ہے۔ والد گرامی کی شہادت نے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کیے اور اُن کے اندر خاص سیاسی واجتماعی شعور پیدا کر دیا تھا۔ ایرانی قوم اور دوسری قوموں کے تاریخی تجربات خاص کر شیعوں کے تاریخی تجربات ہی امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی رہبری اور سیاسی افکار کے اہم ترین مبانی ہیں۔ مثلاً وہ مشروطیت کی تحریک کو انقلاب اسلامی کے لیے سب سے بڑی عبرت قرار دیتے ہیں۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بیانات میں ہمیں تاریخ نویسی کی اہمیت، تاریخ نویسی کی آفات، تاریخ نویسی میں عوام اور علمائے دین کا کردار، تاریخ سے عبرت آموزی کی اہمیت، قرآن اور غزوات رسولؐ سے عبرت اور انبیاء اور مخالفین انبیاء کے تذکرے سے نصیحت جیسے عناوین ملتے ہیں جو تاریخ سے عبرت آموزی کا درس دیتے ہیں۔

کلیدی کلمات:

امام خمینیؒ، تاریخ، تاریخ نویسی، تحریفِ تاریخ، مشروطیت، انقلاب اسلامی

مقدمہ

تاریخ کی اہمیت کے بارے میں ہمیں قرآن مجید کی بہت سی آیات دکھائی دیتی ہیں ۔چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں سابقہ انبیائے کرام علیہم السلام کی تاریخ کو قصص کی صورت میں ذکر کر کے ہمیں تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی تاکید فرمائی ہے۔اسی طرح ہمارے ائمہ طاہرین علیہم السلام نے بھی اپنے فرامین میں تاریخ سے عبرت آموزی کی دعوت دی ہے ۔مثلاً امیر المؤمنین علیؑ اپنے گرانقدر فرامین میں تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے اور تاریخ کے مطالعہ کی اہمیت بیان فرمائی ہے ۔امامؑ کے تاریخ سے متعلق فرامین اتنے اہم ہیں کہ ہمارے معاصر علماء میں سے ایک جلیل القدر عالم دین نے اس موضوع پر ایک گرانقدر کتاب بھی تالیف کی ہے جس کا نام "حركة التاريخ عند الامام علیؑ" ہے ۔اس کتاب کے مولف لبنان کے محمد مہدی شمس الدین ہیں ۔نہج البلاغہ میں تاریخ کے موضوع پر یہ کتاب قابل مطالعہ ہے۔امام علیؑ اپنے فرزند حضرت امام حسنؑ سے مخاطب ہوکر فرماتے ہیں :

أَيْ بُنَيَّ إِنِّي وَإِنْ لَمْ أَكُنْ عُمِّرْتُ عُمُرَ مَنْ كَانَ قَبْلِي فَقَدْ نَظَرْتُ فِي أَعْمَالِهِمْ وَفَكَّرْتُ فِي أَخْبَارِهِمْ وَسِرْتُ فِي آثَارِهِمْ حَتَّى عُدْتُ كَأَحَدِهِمْ بَلْ كَأَنِّي بِمَا انْتَهَى إِلَيَّ مِنْ أُمُورِهِمْ قَدْ عُمِّرْتُ مَعَ أَوَّلِهِمْ إِلَى آخِرِهِمْ....[1]

یعنی:اے فرزند! اگرچہ میں نے اتنی عمر نہیں پائی جتنی اگلے لوگوں کی ہوا کرتی تھیں، پھر بھی میں نے ان کی کارگزاریوں کو دیکھا، ان کے حالات و واقعات میں غور کیا اور ان کے چھوڑے ہوئے نشانات میں سیر وسیاحت کی ، یہاں تک کہ گویا میں بھی انھی میں کا ایک ہو چکا ہوں، بلکہ ان سب کے حالات و معلومات جو مجھ تک پہنچ گئے ہیں ان کی وجہ سے ایسا ہے کہ گویا میں نے ان کے اول سے لیکر آخر تک کے ساتھ زندگی گزاری ہے، چنانچہ میں نے صاف کو گدلے اور نفع کو نقصان سے الگ کر کے پہچان لیا ہے اور اب سب کا نچوڑ تمھارے لیے مخصوص کر رہا ہوں۔

۱۔ نہج البلاغہ ؛امام حسنؑ کے نام خط ص۷۱

نہج البلاغہ میں ایسے بیسوں جملے ملیں گے جو تاریخ کی اہمیت کو ظاہر کرتے ہیں لیکن یہاں مزید جملے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ۔امام خمینیؒ نے بھی قرآن مجید اور نہج البلاغہ جیسی الٰہی کتابوں سے استفادہ کرتے ہوئے تاریخ کی قدر و منزلت و اہمیت کو سمجھا ہے اور اسی کی روشنی میں اپنی انقلابی تحریک کی رہنمائی کی ہے۔

اگرچہ حضرت امام خمینیؒ دنیا کی نظروں میں ایک سیاسی اور انقلابی رہنما کی حیثیت سے پہنچانے جاتے ہیں اور معاصر تاریخ کا بچہ بچہ اُنھیں انقلاب اسلامی ایران کے بانی اور ایک غیر معمولی رہنما اور قائد کے عنوان سے پہنچانتا ہے لیکن امام خمینیؒ کی اس سیاسی جدوجہد اور قیادت کے پیچھے اُن کا گہرا، سیاسی، تاریخی اور اجتماعی شعور اور بصیرت کارفرما ہے۔ اُنھوں نے نہ فقط سیاسی اور اجتماعی انقلاب برپا کیا ہے بلکہ اسلامی و اجتماعی علوم پر بھی گہرے اثرات مرتب کئے ہیں۔ امام نے فقہ سے لیکر فلسفہ و عمرانیات اور دوسرے تمام اسلامی علوم کے بارے میں اظہار نظر کیا ہے اور اپنے پیروکاروں کی جہاں سیاسی رہنمائی کی ہے وہاں علمی اور فکری میدان میں بھی جہت عطا کی ہے۔

❋ تاریخ؛ امام خمینیؒ کا پسندیدہ علم

اس میں کوئی شک نہیں کہ انسانی علوم میں ایک اہم علم "تاریخ" ہے جس کے بارے میں امام نے جہاں خود بھی گہرا مطالعہ کیا ہے وہاں مطالعہ تاریخ اور تاریخ نویسی کے حوالے سے اہم اُصول و ضوابط بھی بیان کئے ہیں اور انہی اُصولوں کی روشنی میں تاریخی مطالعہ کرنے اور بصیرت حاصل کرنے کی تاکید کی ہے۔ لہٰذا تاریخ امام خمینیؒ کے پسندیدہ علوم میں سے ہے۔ اُنھوں نے اپنے علمی مباحث میں تاریخی متون کے مطالعہ اور تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی تاکید کی ہے وہ اپنے پیغامات میں عموماً تاریخی واقعات اور حکایات سے استفادہ کرتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی ایک تقریر کے دوران صدر اسلام کی تاریخ سے مثالیں پیش کی ہیں اور تاریخی واقعات کا حوالہ دیا ہے۔[1]

❋ امام خمینیؒ کے تاریخی مطالعات

۱۲۹۹ شمسی میں امام خمینیؒ حوزہ علمیہ اراک میں داخل ہوئے۔ جہاں وہ آیت اللہ العظمی عبدالکریم حائری (۱۳۵۵ھ) جیسے اساتیذ سے بہرہ مند ہوئے۔ اسی دوران اُنھوں نے ایران اور دنیائے اسلام کے حالات و مشکلات کا مطالعہ بھی شروع کر دیا۔ وہ

۱۔ صحیفہ امام، ج۴، ص۳۲۵

ایران اور اسلامی ممالک کے اجتماعی وسیاسی حالات کے بارے میں شروع ہی سے بہت حساس تھے۔ وہ پوری دنیا کے حالات سے آگاہی رکھتے تھے اور اس سلسلے میں اُن کی دلچسپی سب پر عیاں تھی وہ اخبارات اور سیاسی جرائد کا مطالعہ کرتے اور سیاسی تحولات سے آگاہی رکھتے تھے چونکہ امام نے بچپنے میں ہی اپنے والد گرامی کو ہاتھ سے کھو دیا تھا جو ملک پر حاکم ظالمانہ سیاست کا نشانہ بن گئے تھے اور اُنھیں ظالم حاکموں کے کارندوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کرنا پڑا۔ والد گرامی کی شہادت نے امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی سوچ پر گہرے اثرات مرتب کیے اور اُن کے اندر خاص سیاسی واجتماعی شعور پیدا کر دیا تھا۔ وہ ایران اور معاصر ممالک کے حالات کا مطالعہ کرتے اور وقوع پذیر ہونے والی تاریخ کو دیکھ رہے تھے۔ پردہ کے خلاف رضا خان کے اقدامات، قم واصفہان اور مشہد میں مذہبی تحریکوں کے خلاف رضاخانی استبداد کے دباؤ اور مذہب مخالف اقدامات نے امام کو بہت رنجیدہ کر دیا تھا۔ اس بارے میں رسول جعفریان لکھتے ہیں:

> اس دور کے بارے میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے جو تاریخی مثالیں دی ہیں اور اُن کے تاریخی بیانات میں جو تکیہ کلام ہے اُس سے اس دور کی اہمیت کا پتا چلتا ہے اور یہی دور امام کے سیاسی افکار کو تشکیل دینے کا باعث بنا ہے۔ درحقیقت امام نے جو کچھ اسلام سے حاصل کیا ہے، اس کے علاوہ اُنھوں نے اس سیاسی ماحول میں مختلف مسائل ومشکلات کو دیکھا ہے اور انہی تجربات سے اُن کی بنیادی سیاسی وتاریخی سوچ تشکیل پائی ہے جس نے پہلوی حکومت کا مقابلہ کرنے میں ان کے مؤقف پر گہرے اثرات مرتب کیے ہیں۔[1]

امام اصیل وقدیم تاریخی منابع کا مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ تاریخ اسلام کے بارے میں جدید تالیف شدہ کتابوں کا بھی مطالعہ کرتے تھے۔ بعض اوقات اُنھوں نے اپنے بیانات میں جدید لکھی گئی تاریخی کتابوں کی طرف اشارہ بھی کیا ہے مثلاً اُنھوں نے اس دور کی ایک متنازع اور معرکۃ الآراء کتاب "شہید جاوید" کے بارے میں اپنے نکتۂ نظر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

۱۳۴۳ شمسی میں ترکی میں جلاوطنی کے دوران ساواک کی جانب سے مشکلات کے باوجود امام نے ایک لحظہ بھی تاریخی مطالعات سے غفلت نہیں برتی۔ ساواک کی اسناد کے مطابق جب امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ ترکی میں قیام پذیر تھے اُنھوں نے آیت اللہ لواسانی (۱۳۶۹ھ) کے ذریعے "کتاب تاریخ وتمدن اسلامی" کی پانچ جلدیں اور ساتھ ہی "مفاتیح الجنان" بھی منگوائی۔ یہ کتابیں ساواک نے بہت زیادہ چھان بین کے بعد امام کے سپرد کیں۔[2]

۱۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ وسلطنت رضاخان، رسول جعفریان، تاریخ معاصر ایران، ص ۵

۲۔ یاران امام بہ روایت اسناد ساواک، آیت اللہ سید صادق لواسانی، تہران، مرکز بررسی اسناد تاریخی، ۱۳۹۵ھ

امام خمینی ﷼ کی رہبری کے اہم ترین مبانی

ایرانی قوم اور دوسری قوموں کے تاریخی تجربات خاص کر شیعوں کے تاریخی تجربات ہی امام خمینی ﷼ کی رہبری اور سیاسی افکار اور اعمال کے اہم ترین مبانی ہیں۔ مثلاً وہ مشروطیت کی تحریک کو انقلاب اسلامی کے لیے سب سے بڑی عبرت قرار دیتے ہیں اور علمائے دین کے درمیان اختلاف کو اس تحریک کی شکست کا سب سے بڑا سبب سمجھتے ہیں اور اپنے دور کے علماء کو تفرقہ کے عظیم خطرات کے بارے میں خبردار کرتے ہیں:

> تاریخ ہمارے لیے درس عبرت ہے۔ آپ جب مشروطیت کی تاریخ کا مطالعہ کریں گے تو دیکھے گے کہ مشروطیت کی تحریک جب شروع میں آگے بڑھنے لگی تو بعد میں کچھ ہاتھ ایسے آئے کہ جنھوں نے تمام ایرانی عوام کو دو طبقوں میں تقسیم کر دیا، نہ فقط ایران بلکہ نجف کے بزرگ علماء میں سے بھی کچھ مشروطیت کے حامی تھے اور کچھ اس کے دشمن۔ خود ایران کے علماء میں سے بھی مشروطیت کے طرفدار تھے اور کچھ اس کے مخالف بن گئے تھے۔ اہل منبر کا ایک گروہ مشروطیت کے خلاف بول رہا تھا اور دوسرا گروہ استبداد کے خلاف تھا۔ ہر گھر میں اگر دو بھائی تھے تو ایک جگہ یہ مشروطیت کا حامی تھا اور دوسرا استبداد کا اور یہ سب (تفرقے کا) ایک منصوبہ تھا اور اس منصوبے نے اپنا اثر دکھایا اور اس نے مشروطیت کو اُس طرح نافذ نہیں ہونے دیا جس طرح بزرگ علماء نے اس کا پلان بنایا تھا۔ اُن تک یہ خبریں پہنچائی گئیں کہ مشروطیت پسندوں کو دبا دیا گیا ہے یہاں تک کہ ایران میں "حاج فضل اللہ نوری" جیسے عالم دین صرف اس لیے اسی تہران میں پھانسی پر لٹکا دیئے جاتے ہیں چونکہ وہ اس مشروطیت کے قائل تھے جو شریعت کے مطابق ہو نہ کہ شرق و غرب سے آنے والی مشروطیت۔ جب اُنھیں پھانسی دی گئی تو لوگ رقص کر رہے تھے اور تالیاں بجا رہے تھے۔۔۔ الخ

امام خمینی ﷼ آیت اللہ مرزا شیرازی کی تحریک تمبا کو کہ جو برطانوی استعمار کے مفادات پر ایک کاری ضرب تھی، کی مثال دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "مرزا شیرازی" کے وقت بھی یہی کام کرنا چاہتے تھے۔ جب مرزا مرحوم نے تمبا کو نوشی پر پابندی لگائی تو شیاطین عوام میں گھس گئے اور اس مسئلے کو یہاں تک پہنچا دیا (اور اس قدر پروپیگنڈا کیا) کہ کچھ اہل علم بعض شہروں میں حقہ لیکر منبر پر جا پہنچے۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے مرزا مرحوم کے حکم کے خلاف منبر پر حقہ پیا گیا لیکن مرزا شیرازی کی قدرت و طاقت غیر معمولی تھی۔ دوسری طرف مرزا آشتیانی جیسے اُن کے حامی بھی بہت زیادہ

قدرت مند تھے لہٰذا یہ (شیاطین) وہاں کچھ نہیں کر سکے۔۔۔۔۔ ایران میں بھی اُنھوں نے علماء کے درمیان اسی قسم کا اختلاف پیدا کیا اور یہ خود بخود نہیں ہوا بلکہ ان کے درمیان اختلاف پیدا کیا گیا۔ ہمیں اس تاریخ سے سبق لینا چاہیے، کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی شخص آپ کے درمیان، علماء اور عوام کے درمیان فتنہ پیدا کر دے، اور خدا نہ کرے کہ جو کچھ تحریک مشروطیت میں ہوا وہی آج ایران میں بھی ہو۔[۱]

تاریخ نویسی کی اہمیت

امام خمینیؒ کی نظر میں تاریخ نویسی ایک ضروری فریضہ ہے اور ہر زمانے میں امانتدار اور دقیق مؤرخین کو یہ ذمہ داری پوری کرنی چاہیے اور وہ اپنے زمانے کے تجربات کو لکھنے کا فریضہ ادا کریں۔ اگر تاریخ نہ لکھی جائے یا ناقص لکھی جائے تو آئندہ نسلیں اپنی تہذیب وثقافت اور اپنی پہچان کے بارے میں سخت ترین مشکلات سے دوچار ہو جائیں گی۔ اس کے علاوہ ایک قوم وملت کا ماضی ہی ختم ہو جائے گا کہ جو اس کے حال کی تکمیل کرتا ہے۔[۲] امام خمینیؒ کی تعبیر کے مطابق "جس طرح آج ہمارے لیے روشن اور واضح ہے وہ آئندہ نسلوں کے لیے مبہم ہو جائے گا؛ تاریخ آئندہ نسلوں کے لیے روشنی اور چراغ کی حیثیت رکھتی ہے۔[۳]

تاریخ نویسی کی ایک بڑی آفت

البتہ امام خمینیؒ کے نزدیک تاریخ نویسی کو دقیق و محققانہ اور ذاتی اغراض سے پاک ہونا چاہیے۔ امام خمینیؒ کہتے ہیں کہ آج تاریخ حکمرانوں کی خدمت کے لیے استعمال ہو رہی ہے اور غربی و شرقی قوتوں کی خدمت کر رہی ہے۔ یہ ہی تاریخ نویسی کی سب سے بڑی آفت ہے کہ ان سفاک وظالم ترین لوگوں کو نیکی وعدل کا نمونہ بنا کر پیش کر رہی ہے۔[۴]

جب امام خمینیؒ سید حمید روحانی کو اسلامی انقلاب کی تاریخ لکھنے کی ذمہ داری سونپتے ہیں تو اُنھیں تاریخ نویسی کی ایک بڑی آفت کے بارے میں خبردار کرتے ہیں اور وہ تاریخ کی تحریف ہے کہ جو مختلف قسم کے محرکات کی وجہ سے امکان پذیر ہے۔ اگر مؤرخ حکمرانوں کی خوشامد کی وجہ سے تاریخی واقعات کو اُلٹا ذکر نہ بھی کرے لیکن ہو سکتا ہے مذہبی تعصب اور قومی ولسانی

۱۔ صحیفہ امام، ج۱۸، ص۱۷۱،۱۷۰

۲۔ صحیفہ امام، ج۱، ص۲۸۹

۳۔ صحیفہ امام، ج۳، ص۴۳۴

۴۔ صحیفہ امام، ج۲۱، ص۲۳۹

تعصبات کی وجہ سے تحریف تاریخ کا مرتکب ہو جائے۔

اس بارے میں امام خمینیؒ کہتے ہیں:

> آپ کو ایک مؤرخ کی حیثیت سے یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کے اوپر کس قدر عظیم ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ اکثر مؤرخین جس طرح چاہتے ہیں یا اُن کو جو حکم ملا ہے تاریخ لکھ رہے ہیں نہ اُس طرح جیسے وہ وقوع پذیر ہوئی ہے۔ وہ پہلے سے جانتے ہیں کہ اُن کی کتاب کس نتیجہ تک پہنچے گی اور آخر کار وہ اسی نتیجہ تک پہنچتی ہے۔

حمید روحانی کے نام اسی خط میں لکھتے ہیں:

> مجھے اُمید ہے کہ آپ پوری دقت کے ساتھ ایران کے بہادر عوام کے اسلامی انقلاب کے واقعات سے بھری ہوئی حماسہ آفرین تاریخ اُسی طرح لکھیں گے جس طرح وہ وقوع پذیر ہوئی ہے۔

❋ تاریخ نویسی میں عوام اور علمائے دین کا کردار

اسلامی انقلاب کی تاریخ نویسی کے وقت مؤرخ کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس عوامی تحریک کی تاریخ کو اُسی طرح لکھے جس مقصد کی خاطر یہ تحریک اور قیام برپا ہوا ہے۔ انقلاب کی مستند تاریخ نویسی امام خمینیؒ کی ایک اہم آرزو تھی تاکہ آنے والی نسلیں اس انقلاب کو بغیر کسی تحریف اور ملاوٹ کے سمجھ سکیں۔ بہت سے مؤرخین تاریخ کو بادشاہوں اور شہزادوں اور درباری خواص تک محدود رکھتے ہیں اور اس میں عوامی کردار کو نظر انداز کر دیتے ہیں لیکن امام خمینیؒ ایسی تاریخ نویسی کو مستند نہیں سمجھتے، اُن کے نزدیک تاریخ مشہورات، تشابہات و متواترات پر تکیہ کیے بغیر معقولات و مستندات اور محسوسات کے مطابق لکھی جانی چاہیے۔[1]

❋ واقعات کے شاہد عوام، تاریخ نویسی کا اہم منبع

اُن تاریخی منابع کے برعکس کہ جو فقط کسی حکومت اور صاحب اقتدار شخصیت سے وابستہ خواص اور کارندوں کے ذریعے روایت کیے جاتے ہیں، امام خمینیؒ کے نزدیک جن لوگوں کے سامنے کسی قوم و ملت کے تاریخی واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں وہی اس کا بہترین منبع قرار پاتے ہیں۔ امام (مؤرخ انقلاب اسلامی) حمید روحانی کے نام خط میں لکھتے ہیں:

۱۔ نامدار، مظفر (۱۳۸۹ ش)، «جامعہ ی مدرسین، مرجعیت امام و منشور تاریخ نگاری انقلاب اسلامی»، فصلنامہ ی ۱۵ خرداد، شمارہ ی ۲۵ و ۲۴، ص ۴

اگر آپ مظلوم عوام کی زبان سے انقلاب اسلامی کے مختلف مواد پر مشتمل آواز اور فلم سے تاریخ کو دستاویزی شکل دے سکتے ہیں تو آپ نے ایران کی تاریخ میں ایک اچھا اور لائق تحسین کام کیا ہے۔ ہمارے اسلامی انقلاب کی تاریخ کی بنیادیں جیسا کہ انقلاب خود ان برہنہ پا اور سپر پاورز کے خلاف لوگوں کے کندھوں پر ہونا چاہیے۔ آپ کو یہ (تاریخ کے ذریعے) دکھانا ہوگا کہ (یہ ستم دیدہ) عوام کس طرح ظلم و ستم، بے عدالتی اور پسماندگی کے خلاف اٹھے ہیں۔[1]

تاریخ سے عبرت آموزی کی اہمیت

امام خمینیؒ کی نظر میں تاریخ اس وقت اہمیت رکھتی ہے جب اُس سے عبرت حاصل کی جائے۔ امام خمینیؒ اپنی کتاب تقریرات فلسفہ میں "حکمت نقل قصص در قرآن" کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

قرآن ایک ایسی کتاب ہے جو مختلف طریقوں سے انسانی سعادت کے راستوں کو بیان کرتی ہے۔ کبھی احکام کی شکل میں اور کبھی قصوں اور حکایات کی صورت میں۔ قرآن نے انبیائے کرام کے جو قصے بیان کیے ہیں وہ تاریخی پہلو سے بیان نہیں کیے چونکہ قرآن تاریخ کی کتاب نہیں ہے اور اس میں حضرت آدمؑ کے حالات تاریخ جاننے کے لیے ذکر نہیں ہوئے ہیں کیونکہ اس بات کا ہم سے کیا تعلق کہ فلاں واقعہ فلاں طریقہ سے وقوع پذیر ہوا ہے۔ بلکہ شیطان کے ساتھ قصہ آدمؑ کا ذکر ہماری تنبیہ کے لیے ہے تاکہ ہم جان لیں کہ اگر کوئی جنت سے نکلا ہے تو وہ دوبارہ کس طرح جنت میں داخل ہو سکتا ہے اور کس طرح بارگاہ خدا سے انسان کو اخراج کرنے کے لیے مخاطب قرار دیا جاتا ہے؟ اور کون سی انسانی صفت غفران کا سبب بنتی ہے؟ اور کون سی صفات لعن کا باعث بنتی ہیں؟

قرآن مجید انبیائے کرام کے قصص اور حکایات میں ہمارے لیے نمایاں اور قابل ذکر شخصیات کو ذکر کرتا ہے تاکہ ہم جان سکیں کہ کائنات کی نمایاں شخصیات نے کہ جو انسان کے مربی تھے کس طرح خود تربیت حاصل کی ہے اور اُن کا طریقۂ (تربیت) کیا تھا؟

حضرت موسیٰؑ اس قدر سیر و سفر کے بعد منبر پر بیٹھتے ہیں اور لوگوں کو وعظ کرتے ہیں اس وقت ان کے دل میں خیال آتا ہے کہ میں کہاں سے کہاں پہنچ گیا ہوں اور کس قدر بزرگ اور افضل بن چکا ہوں تو فوراً حکم ملتا

۱۔ صحیفہ امام، ج۲۱، ص ۲۳۹۔۲۴۰

ہے کہ منبر سے اُتر جاؤ چونکہ تم ابھی ناقص ہو، جاؤ تربیت حاصل کرو جب تربیت حاصل کر لو تو پھر آ کر تربیت کرو۔ وہ فوراً منبر سے اُتر پڑے۔ لوگوں نے بہت زیادہ التماس کی کہ ابھی نہ جاؤ، آپ نے فرمایا: نہیں مجھے ابھی جانا چاہیے لہٰذا اس کے بعد حضرت خضرؑ کو دیکھا اور اُن سے کس قدر زیادہ تربیت حاصل کی۔ اس آیہ مجیدہ میں کس قدر آداب تعلّم ذکر ہوئے ہیں کہ جس میں اُن کے حالات کو ذکر کیا گیا ہے: قَالَ لَهُ مُوسَى هَلْ أَتَّبِعُكَ عَلَى أَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْداً [۱،۲]

شرح چہل حدیث میں لکھتے ہیں:

جان لو بہت سے ایسے علوم ہیں جن کو ایک لحاظ سے علوم ثلاثہ کے اندر شامل کیا جاسکتا ہے جن کا رسول خداؐ نے ذکر فرمایا ہے، مثلاً علم طب اور تشریح الابدان، نجوم وفلکیات، ہیئت وغیرہ۔ اگر ہم ان چیزوں کو آیت وعلامت سمجھیں تو یہ چیزیں انھیں علوم میں داخل ہیں اور علم تاریخ وغیرہ کو اگر بنظر عبرت ان کی طرف مراجعہ کریں تو وہ "آیت محکمہ" میں داخل ہوں گے۔ [۳]

شرح حدیث جنود عقل و جہل میں امام غضب کے علاج کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

اس فاسد عنصر (جو تمام خرابیوں کا منبع ہے) کا خاتمہ کرنے کے لیے انسان جس قدر ریاضت کرے مناسب اور بجا ہے۔ اسے جڑ سے اکھاڑنے کے لیے گزشتہ لوگوں کے حالات میں غور اور قرآنی حکایتوں میں تفکّر بہترین راہ علاج ہے۔ سلطنت، عظمت، جاہ وجلال اور مال ومنال کے حامل افراد (جو چند دن ان چیزوں سے استفادہ کر کے چلے گئے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان کی حسرت اور ان کے برے نتائج کے ساتھ قبروں میں دفن ہوگئے) کے حالات سے عبرت حاصل کرنا بیدار لوگوں کے لیے بہترین درس ہے۔ [۴]

قرآن اور غزوات رسولؐ سے عبرت

امام خمینیؒ کے نزدیک قرآن میں جو غزوات رسولؐ کا تذکرہ ملتا ہے یہ درحقیقت ان غزوات میں غور وفکر کی دعوت

۱۔ سورۂ کہف، آیہ ۶۶

۲۔ تقریرات فلسفہ ج ۳، ص ۴۵۸، ۴۵۹

۳۔ شرح چہل حدیث، ص ۳۹۶

۴۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص: ۳۷۷

ہے تاکہ ان سے عبرت حاصل کی جائے۔اس بارے میں امام کہتے ہیں :

اور انہی نصیحت و عبرت کی باتوں میں رسول خداﷺ کے غزوات بھی شامل ہیں یا ان کا علیٰحدہ باب ہے۔ان غزوات میں بہترین نکات پوشیدہ ہیں کہ ان میں سے ایک رسول خداﷺ کے غزوات کا احوال بھی شامل ہے جو مسلمانوں کو خواب غفلت سے بیدار کرنے، انھیں راہ خدا میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے، حق کے نفاذ اور باطل کو نابود کرنے پر انہیں ابھارنے کے لیے بہت موثر ہیں۔[1]

انبیاء اور مخالفین انبیاء کے تذکرے سے نصیحت

امام قرآن میں انبیائے کرام علیہم السلام اور اُن کے مخالفین کے تذکرہ کو بھی عبرت اور نصیحت آموز قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں :

اس نورانی صحیفے کے اہم مطالب میں سے کفار اور حق و حقیقت کے منکروں، مخالفوں، انبیاء و اولیاء علیہم السلام کے دشمنوں مثلاً فرعون، قارون، شدّاد، اصحاب فیل، دیگر کافروں اور فاجروں کے عقاب کی کیفیت اور ان کی ہلاکت و تباہی کے احوال کو اس طرح بیان کرنا ہے کہ عذاب وہلاکت کی ہر کیفیت اس کے اہل کے لیے نصیحت اور حکمت و دانائی بلکہ معرفت کی باتوں کا درجہ رکھتی ہو۔ ابلیس ملعون کا قصہ بھی اسی باب سے تعلق رکھتا ہے۔[2]

انبیاء کے تاریخی قصے اور ان کا تربیتی اثر

امام خمینیؒ قرآنی قصص کی انسانی تربیت پر تاثیر کو اہم قرار دیتے ہیں اور قرآن کے اس تاریخی و تربیتی پہلو پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں :

مجموعی طور پر انبیاء علیہم السلام کے قصوں کو ذکر کرنا، ان کے سیر و سلوک کے حالات، خدا کے بندوں کے لیے ان کی تربیت، ان کی حکمتیں، مواعظ اور خوبصورت بخشیں معرفت اور حکمت و دانائی کے وہ عظیم ابواب

۱۔ قرآن کتاب ہدایت، ص ۳۱

۲۔ قرآن کتاب ہدایت، ص ۳۱

اور سعادت و تعلیم کے ایسے بلند و بالا دروازے ہیں کہ جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کھولا ہے۔ اس وادی میں اہل معرفت اور سلوک و ریاضت کے مسافروں کے لیے بہرہ مند ہونے کے کثیر مواقع ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے لوگ بھی اس ختم نہ ہونے والی فضیلت میں شریک ہیں۔ مثلاً اہل معرفت اس آیہ کریمہ (فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَءَا كَوكَباً...)[1] سے حضرت ابراہیمؑ کے معنوی سیر و سلوک کا ادراک کرتے ہیں، خداوند عالم کی راہ سلوک میں قدم اٹھانے اور اس عظیم بارگاہ کی جانب سفر کی تعلیم دیتے ہیں اور آفاق میں سیر و سلوک کو طبیعت و مادے کے آخری درجات کہ جنھیں اس مسلک میں (فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْل) (جب ان پر رات کی تاریکی چھاگئی) سے تعبیر کیا گیا ہے، سے لے کر انانیت، اناپرستی و خودپسندی کے ترک اور مقام قدس تک پہنچنے اور خدا کی محفل انس میں داخل ہونے کے تمام مراحل و درجات کو سمجھتے اور درک کرتے ہیں کہ جس کی جانب اس مسلک میں (وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمٰوَاتِ...)[2] سے اشارہ کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی دوسرے افراد بھی انھی آیات سے خلیل خدا حضرت ابراہیمؑ کی آفاقی سیر اور ان کی تربیت و تعلیم کے انداز اور اسلوب کو سمجھتے ہیں۔ اسی طرح تمام قرآنی قصے اور حکایات مثلاً حضرت آدمؑ (کی خلقت و توبہ)، حضرت ابراہیمؑ (کے توحیدی دلائل وجہاد)، حضرت موسیٰؑ (کا فرعون کے خلاف قیام کرنا) حضرت عیسیٰؑ (کی اخلاقی تعلیمات)، حضرت یوسفؑ (کا پاک دامنی، طرز حکومت اور بھائیوں کی خطاؤں سے چشم پوشی) اور (حضرت موسیٰؑ) حضرت خضرؑ سے ملاقات (اور حصول علم) کے ایک دوسرے سے مختلف قصے اہل معرفت و ریاضت اور راہ خدا میں جد و جہد کرنے والوں کے لیے استفادہ کے بہترین ذرائع ہیں۔ اس مقام پر جہاں جہاں اس نے مناسب جانا اپنی لسان قدرت سے بندوں کو معرفت الٰہی اور اس کی توحید و پاکی بیان کی مثلاً سورۂ مبارکہ توحید، سورۂ حشر کی آخری اور سورۂ حدید کی ابتدائی آیات اور اسی طرح اس کتاب خدا کی دیگر آیات کی مانند دعوت دی ہے کہ خدا کے لیے دھڑکنے والے دلوں اور پاکیزہ ماضی کے حامل افراد اس مقام میں بہرۂ کامل رکھتے ہیں۔ مثلاً اہل معرفت اس آیہ کریمہ (وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِراً إِلَى اللهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللهِ)[3] سے نافلہ وفریضہ کے قرب کا معنی مراد لیتے ہیں جبکہ دوسرے افراد بدن سے خروج اور مثلاً مکہ یا مدینہ کی جانب ہجرت

۱۔ پس جب ان پر رات کی تاریکی چھاگئی، انھوں نے ایک ستارہ دیکھا۔ (سورۂ انعام، آیت ۷۶)

۲۔ میں نے اپنا چہرہ اس کی جانب کیا ہے جو آسمانوں کا پیدا کرنے والا ہے۔ (سورۂ انعام، آیت ۷۹)

۳۔ اور جو کوئی اپنے گھر سے خدا اور رسولؐ کی طرف ہجرت کے ارادے سے نکلے اور اسے اس راہ میں موت بھی آجائے تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ (سورۂ نساء، آیت ۱۰۰)

سمجھتے ہیں یا خداوند عالم نے تہذیب نفس اور باطنی ریاضت کی جانب مثل آیہ کریمہ (قَدْ أَفْلَحَ مَنْ زَكَّاهَا وَقَدْ خَابَ مَنْ دَسَّاهَا)[1] اور عمل صالح بجالانے کی طرف دعوت دی ہے اور یہ سب باتیں اپنی اپنی جگہ معلوم ہیں۔ خداوند عالم نے ان تمام بیان شدہ امور کے مقابلے میں موجود چیزوں سے خوفزدہ اور خبردار ہونے کی طرف دعوت دی ہے اور اس حصے میں حضرت لقمان دیگر حکما اور مومنین کی حکمت ودانائی کی باتیں مثلاً اصحاب کہف کے قصے بھی شامل ہیں جو اس صحیفۂ الٰہی کے مختلف پاروں میں مذکور ہیں۔[2]

تاریخ انبیاء کے مطالعہ کی ضرورت

امام کے نزدیک ایک اہم بحث انبیاء واولیاء (علیہم السلام) کی تاریخ ہے۔ وہ اپنی تحریروں اور بیانات میں بار بار تاریخ انبیاء میں غور وفکر کرنے اور اس سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ شرح حدیث جنود عقل و جہل میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

> بڑے بڑے لوگوں، اولیاء کرام اور انبیاء کا قرآن میں جو تذکرہ ہوا ہے اس کا مقصد تاریخ نویسی نہیں، بلکہ اس کا مقصد انسانیت کی تکمیل ہے، نیز یہ کہ لوگ بزرگان عالم کی سرگزشت سے عبرت حاصل کریں اور اپنے آپ کو ان کی نیک صفات اور اخلاق فاضلہ سے آراستہ کریں۔

ایک اور مقام پر لکھتے ہیں: اے عزیز! ان آیات خداوندی اور تعالیم ربانی کا مقصد ہمیں خواب گراں سے جگانا اور ہم غافلوں کو بیدار کرنا ہے۔ قرآن میں مذکور قصہ کہانیوں کا مقصد داستان گوئی اور تاریخ نویسی نہیں۔ یہ قصے تمام انبیاء کی تعالیم اور تمام اولیاء کی سیرت ورہنمائی کا خلاصہ ہیں۔ ان میں تمام روحانی عیوب وامراض اور ان کے طریقہ علاج کا بیان موجود ہے۔ یہ انسانیت اور اللہ کے راستے پر چلنے والوں کے لیے چراغ ہدایت ہیں۔ ان داستانوں کا مقصد گزشتہ لوگوں کا قصہ پارینہ بیان کرنا نہیں نہ ان کا ہدف تاریخ دانی اور اطلاع رسانی ہے۔

خدائی اہداف ومقاصد اور مسعودی، طبری اور ان جیسے لوگوں کے اہداف میں فرق کرو۔ قرآن کو صرف تاریخ وادب اور فصاحت وبلاغت کے نظر سے نہ دیکھو، کیونکہ یہ خود اک ضخیم پردہ اور دبیز حجاب ہے۔[3]

۱۔ بے شک وہ کامیاب ہو گیا جس نے نفس کو پاکیزہ بنالیا اور نامراد ہو گیا جس نے اسے آلودہ کر دیا۔ (سورۂ شمس ۹،۸)

۲۔ آداب الصلوۃ، ص ۱۸۷، قرآن کتاب ہدایت، ص ۲۶

۳۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل، ص ۲۸۸ و ۳۲۶

ائمہ معصومین علیہم السلام کی تاریخ کو اُسوہ بنانے کی ضرورت

امام تاکید کرتے ہیں کہ ائمہ دین اور معصومین علیہم السلام کی تاریخ فقط روز شہادت اور ولادت اور کس امام نے کتنی عمر گذاری ہے، تک محدود نہیں ہونی چاہیے اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہے بلکہ ان ذوات مقدسہ کی تاریخ پڑھنے یا سننے کا مقصد ان کو اُسوہ بنانا اور ان کی سیرت وتاریخ کو پڑھ کر خود سازی کرنا ہے چنانچہ امام آداب الصلوۃ میں لکھتے ہیں :

> اور بزرگان دین اور پیشواؤں کے حالات زندگی کے بارے میں سوچیں کہ ان کے (نماز کے وقت) کیا حالت ہوتی تھی اور انھوں نے ملک الملوک (اللہ تعالیٰ) کے ساتھ کس قسم کا معاملہ کیا؟ ہمیں چاہیے کہ ائمہ کے حالات سے درس لیں اور ان بزرگوں کی پیروی کریں اور بزرگان دین اور ائمہ معصومین علیہم السلام کی تاریخ سے فقط سال وفات اور یوم ولادت اور ان کی مدت عمر پر ہی اکتفانہ کریں کہ جس کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں، بلکہ ان کا سیر وسلوک ایمانی اور عرفانی زندگی ہی اصل ہے کہ اُن کے عبادی معاملات کیا تھے، سیر الی اللہ میں ان کا طریقہ کیا تھا اور ان کے عرفانی مقامات کیا تھے، جس کا اندازہ ان کے معجزانہ کلام سے لگایا جا سکتا ہے۔
>
> افسوس کہ ہم اہل غفلت اور عالم طبیعت کے نشے میں مدہوش اور بے مایہ غرور میں مبتلا لوگ ہیں جو شیطان پلید کے اہلکار ہیں اور کبھی نہ ختم ہونے والی نیند اور فراموشی سے باہر نہیں آتے اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے حکام اور تعلیمات سے ہمارا استفادہ اس قدر کم اور حقیر ہے کہ جو نہ ہونے کے برابر ہے اور ان کی حیات طیبہ کے ظاہر پر ہی اکتفا کیا ہوا ہے اور انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقصد کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے۔[۱]

مسلمان حکمرانوں کو معاصر تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بارہا مسلمانوں، مسلمان حکمرانوں اور صاحب اقتدار شخصیات کو استعماری دور کے تجربات اور تفرقے کے نتیجے میں عثمانی سلطنت کے زوال اور ظلم وستم کی وجہ سے پہلوی حکومت کے خاتمے سے عبرت حاصل کرنے کی دعوت دی ہے ۔ چنانچہ امام ایک تقریر کے دوران کہتے ہیں :

> تاریخ ہمارے لیے باعث عبرت ہونی چاہیے ۔ جب ہم تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو اسلام اور مسلمانوں میں جو پیش

۱۔ آداب الصلاۃ، ص ۱۴۷

رفت نظر آتی ہے، جہاں کہیں بھی ایمان کی طاقت تھی اور مسلمان ایمان کی طاقت سے کام لیتے تھے، نصرت وفتح بھی اُن کے ساتھ ہوتی تھی اور جب بھی دنیاوی مال ومنال حاصل کرنے کی نیت ہوتی تو نصرت وفتح ان سے دور ہو جاتی۔

انبیاء کرام کی تعلیمات اور نبی اکرم ﷺ کی تعلیم یہ ہے کہ آپ روحانی ومعنوی قوتوں ہی کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں۔ وہ روحانی طاقتیں جو مسلمانوں کے پشت پر تھیں اور خدا کے فرشتے جو روحانی طاقت تھے (جن کی وجہ سے) مسلمانوں کو نصف صدی سے بھی کم عرصے میں تمام دنیا پر غلبہ حاصل ہوا۔ ہمیں تاریخ سے سبق سیکھنا چاہیے۔ جب ہمارے پاس عثمانی حکومت جیسی ایک مضبوط حکومت تھی - وہ سوویت یونین اور جاپان کے خلاف کھڑی ہوئی اور اس نے غلبہ حاصل کرلیا۔ لیکن جب ہمارے دشمنوں نے تسلط حاصل کیا تو انھوں نے اس وسیع ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔

استعمار نے اسلامی سرزمینوں میں سے ہر ایک کو اپنے ایجنٹوں کے حوالے کر دیا اور بدقسمتی سے انھیں تقسیم کر دیا، جس سے مسلمان اور اسلام کمزور ہو گئے اور استعمار ہم پر غالب آگئے۔ ہمیں ان مسائل سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور ہماری حکومتوں کو ان چیزوں اور اس تاریخی مسئلے سے سبق حاصل کرنا چاہیے اور اپنے اختلافات کو دور کرنا چاہیے۔ اگر یہ سب آپس میں مل جائیں تو ان میں ایک ایسی طاقت ہو گی جس کا مقابلہ کوئی طاقت نہیں کر سکتی، البتہ مکمل ایمان کی شرط کے ساتھ۔[1]

ایک اور موقع پر امام خمینیؒ نے تاریخ سے عبرت حاصل کرنے کی تاکید کرتے ہوئے کہا:

دنیا میں کچھ ایسے واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں کہ جو تاریخ ساز ہوتے ہیں اور یہ ہمارے لیے باعث عبرت بنتے ہیں۔۔۔الخ[2]

اس کے بعد امام غاصبانہ پہلوی سلطنت کی مثال پیش کرتے ہوئے شاہی حکومت کی اپنی ملت کے خلاف اقدامات کی تفصیل بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد امام تاکید کرتے ہوئے کہتے ہیں:

(شاہی حکومت کی یہ ظالمانہ تاریخ) ہمارے لیے بیداری کا باعث بنی چاہیے ۔۔۔۔یہ ایک تاریخ ہے جو ہمارے

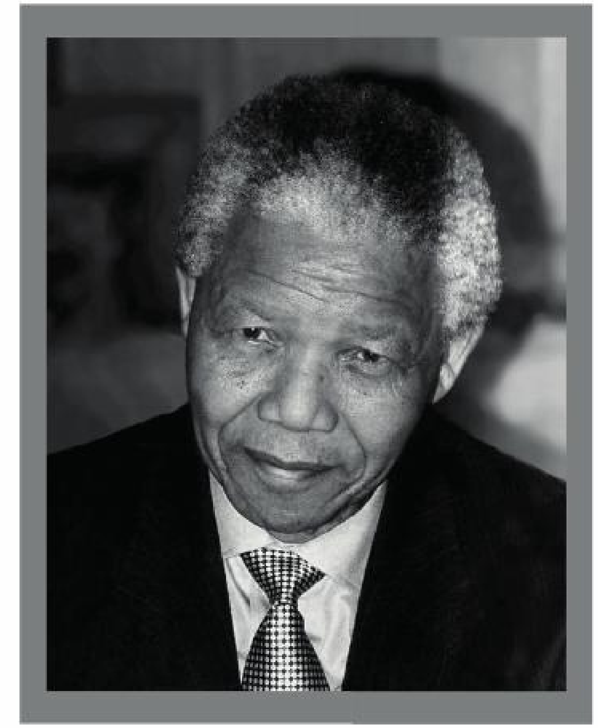
۱۔ صحیفہ امام، ج۷، ص۶۷، ۶۸

۲۔ صحیفہ امام، ج۷، ص۔۵۰۸

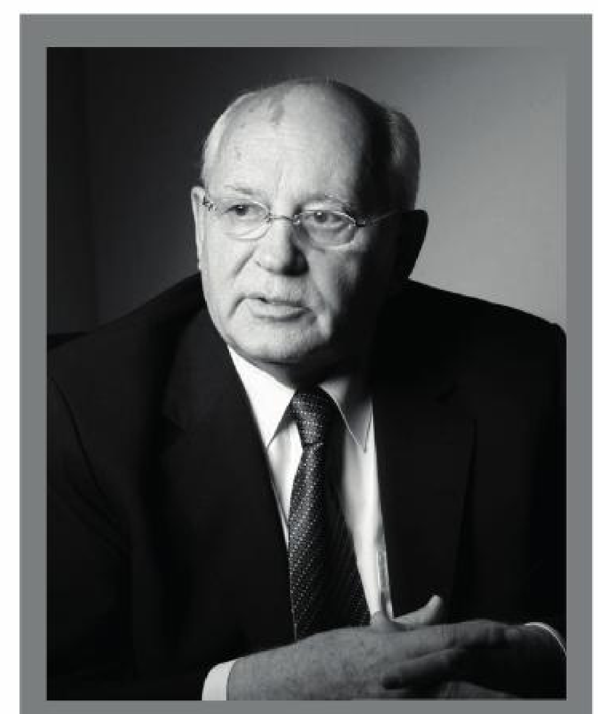
سامنے موجود ہے اور یہ ہم سب کے لیے باعث عبرت ہونی چاہیے۔[1]

خلاصہ یہ کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تاریخ کی اہمیت اس سے عبرت آموزی کی وجہ سے ہے۔ اگر تاریخ سے عبرت حاصل نہ کی جائے تو تاریخ کے مطالعہ کا کوئی فائدہ نہیں۔ لہٰذا ہمیں تاریخ کو عبرت کا وسیلہ سمجھنا چاہیے۔ یہی وہ خصوصیت ہے جس کی وجہ سے قرآن نے بھی گزشتہ انبیائے کرام کی تاریخ کو قصص کی صورت میں پیش کیا ہے تاکہ اُن کے حالات سے عبرت حاصل کی جائے۔ اسی عبرت آموزی کی وجہ سے تاریخ بھی اُن علوم میں شامل ہے جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ائمہ طاہرین علیہم السلام نے تاکید فرمائی ہے۔ اسی خصوصیت کی وجہ سے تاریخ کو تحریف سے پاک ہونا چاہیے اور تاریخ نویس کو بھی ہر قسم کے تعصبات سے پرہیز کرنا چاہیے۔ آج کے مؤرخین کو تاریخ نویسی کے جدید ذرائع مثلاً فلم وغیرہ سے بھی استفادہ کرنا چاہیے اور تاریخی اسناد کے طور پر نہ فقط خواص بلکہ عوامی تجربات اور مشاہدات کو بھی اہمیت دی جانی چاہیے۔

۱۔ صحیفہ امام ج۷ ص: ۵۱۰



امام خمینی اسلام کے نامور فرزند تھے جنھوں نے موجودہ اور آنے والی نسلوں کو صحیح راستہ دکھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ نیلسن مینڈیلا سابق صدر جنوبی افریقہ



امام خمینیؒ زمان و مکان کی قید سے ماورا تھے انھوں نے عالمی تاریخ پر گہرا اور لازوال اثر چھوڑا۔ میخائل گورباچوف آخری سوویت صدر

دیوان امام خمینیؒ «صحیفہ عرفان»

جاوید اقبال قزلباش

سابق مدیر معاون پیغام آشنا

دیوان امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ صحیفہ عرفان

شاعری انسانی جذبات، تاریخ اور ثقافت کو چند سطروں میں سمیٹنے کا ایک طاقتور ذریعہ ہے۔ جب یہ الٰہی اقدار سے ہم آہنگ ہو جائے تو انسان کو روحانی بلندی عطا کرتا ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت، جو ایک فقیہ، سیاست دان، مجاہد، فلسفی، عارف، مصنف اور شاعر کی حیثیت سے ہمہ گیر تھی، ان کے الٰہی عشق اور پختہ ایمان کا مظہر تھی۔ ان کا کلام، جو ان کے عرفانی درد اور محبوب حقیقی کی جدائی کے نوحوں پر مشتمل ہے، ان کی شبوں کی ریاضت اور عشق الٰہی کا آئینہ دار ہے۔ ان کے اشعار میں عطار، رومی اور حافظ جیسے عظیم عرفاء و شعراء کے کلام کی گہرائی اور وسعت نظر آتی ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے دنیاوی تعلقات، علم و فلسفہ کی اصطلاحات اور خانقاہ و مدرسہ کو عرفان کی راہ میں حجاب قرار دیتے ہوئے خود کو ان سب سے بے نیاز کر کے محبوب حقیقی کی ذات میں گم ہونے کی وصیت کی۔ ان کے نزدیک ساری کائنات محبوب حقیقی کا جلوہ ہے، اور وہ عشق کی آخری منزل پانے کے لیے ہر قربانی دینے کو تیار تھے، حتیٰ کہ منصور کی طرح دار پر چڑھ جانے کو بھی افتخار سمجھتے تھے۔ مختصر یہ کہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی عرفانی شخصیت عشق الٰہی میں اس حد تک ڈوبی ہوئی تھی کہ ان کے لیے تمام دنیاوی علائق بے معنی ہو چکے تھے اور ان کا دیوان آج بھی عشاق کے دلوں کو روشن کر رہا ہے۔ زیر نظر تحریر سابق مدیر معاون پیغام آشنا جاوید قزلباش کے فکری مطالعات کا حاصل ہے جسے قارئین پیام کے لیے پیش کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

از غم دوست در این میکده فریاد کشم
داد رس نیست که در هجر رخش داد کشم
سالها می گذرد حادثه هایی آید
انتظار فرج از نیمه خرداد کشم ![1]

شعر حال دل ہے۔ انسانی جذبات، احساسات و ہیجانات کے پر تلاطم سمندر کا سینہ، قرطاس پر منتقل ہو کر صدیوں کی تاریخ، ثقافت اور تمدن کو چند سطروں میں سمو دینے کا نام، گویا یہ بشری احساسات کا عصارہ اور اس کا تقطیری عمل ہے۔ یہ دیومالائی داستانوں، جنگوں، عشقیہ داستانوں، انقلابات تاریخ انسانی، انسان کے الٰہی رشتوں پر مشتمل ایک ایسی دنیا ہے جہاں عشق کے چمن زاروں میں بلبلوں کی دلنواز اور مسحور کن شیریں نغمے ہیں۔ شعر جب الٰہی اقدار کا حامل بن جائے تو وہ انسان کو روح القدس کے پروں پر پرواز کراتا ہوا ملکوتی دنیاؤں کی سیر کرا دیتا ہے۔ غرض یہ انسان کے نازک ترین جذبات کا ایک ایسا آبگینہ ہے جس کے بلوریں حسن اور ماہتابی چہرے کی ضیا سے انسان کی روح اپنی تمام تر گہرائیوں سے متاثر ہو جاتی ہے۔ دنیا کی تمام اقوام اور تمام زبانوں میں اس کا پیکر اپنے تمام تر حسن اور رعنائیوں کے ساتھ جلوہ فگن رہا ہے۔ شعر شاعر کی شخصیت، عمق اور وسعت کے اندازے کا بیان بھی ہے، جتنی شخصیت عمیق اور وقیع ہو گی شعر کی سبک پروازی اتنی ہی بڑھ جائے گی، یہاں تک کہ بات امام

۱۔ دیوان امام، موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ، تہران، ۱۳۷۳ شمسی، ص ۱۵۴

خمینیؒ جیسی عظیم شخصیت تک پہنچ جائے۔ امام خمینیؒ کی آفاقیت ان کے جامع صفات انسانی شخصیت سے ہے۔ وہ بیک وقت صاحب علم و عمل فقیہ، بیدار مغز سیاست دان، سلحشور مبارز و مجاہد، فلسفی و عارف، مصنف، شاعر اور محبتوں اور فیوض کا سرچشمہ بلکہ عین الحیات تھے۔

ان کی ہمہ گیر شخصیت کا بنیادی پہلوان کا خدا سے عشق اور اس کی ذات اقدس پر محکم ایمان تھا اور انبیا، ائمہ اور اولیا کے جانشین اور وارث کے طور پر وہ ان ہی کی طرح مظہر صفات الٰہیہ تھے۔ غرض وہ عشق الٰہی کی ایک ایسی جلوہ گاہ پر فروکش تھے کہ جہاں انوار الٰہیہ کی شعاعوں کی تابش سے وہ غرق نور رہے وہیں ان کے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان ایسے حالات اور مقامات تھے جن کا بیان نثری زبان میں ممکن نہیں۔

ملا صدرا کے اسفار اربعہ کو اگر مد نظر رکھا جائے تو وہ "من الخلق ابی الخلق بالحق المخلوق مع الحق" کی منزل پر تھے جو سفر انبیا و ائمہ کا آخری اور ادق سفر ہوتا ہے۔ مخلوق کی راہنمائی اور پیشوائی وہ مشکل ترین الٰہی منصب ہے جس کے لیے انبیا اور ائمہ نے بھی خدا سے لحظہ بہ لحظہ مدد طلب کی تھی۔ اس مرحلے کی آزمایشوں، مشکلات اور مشغولیات سے بھی اگر عرفان الٰہی کا آفتاب گہنا نہ سکے تو اس کی شعاعیں سارے عالم کو اسی طرح احاطہ کر لیتی ہیں جیسے امام نے عشق الٰہی کی ضو سے کائنات کو منور کر دیا تھا۔ چنانچہ مخلوق کی مصروفیات سے فرصت پا کر وہ اپنی شبوں کو مناجات و شعر و عشق کی خوشبوؤں سے معطر و منور کر لیتے تھے اور یہ سلسلہ مدام العمر جاری رہا۔ انسان کے الٰہی رشتوں کی حساسیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امام رات کی تنہائیوں میں جب کائنات کی ہر ذی روح شے آرام کر رہی ہوتی عبادت و نیایش اور مناجات کے ساتھ ساتھ گریہ میں غرق رہتے اور اس حد تک گریہ فرماتے کہ رومال کے بجائے ان کے پاس تولیہ رکھ دیا جاتا تھا مگر وہ بھی بھیگ جاتا تھا، وہ بھی کافی نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ عرفان الٰہی کے بحر نور میں غرق ایسی شخصیت کے کلام پر بحث کوئی آسان بات نہیں۔ در حقیقت آپ کی شخصیت امانت کے ایسے عظیم بار کی حامل تھی جس کو اٹھانے سے بفرمان قرآن آسمانوں اور پہاڑوں نے عذر خواہی کی تھی:

کشم بار امانت با ولی زار
امانت دار اسرارم تو باشی[1]

ایسے میں درد عرفان وجدائی محبوب کسی طور سے قابل برداشت نہ رہتا تو وہ اُسے صفحہ قرطاس پر اشعار کی صورت میں منتقل کر دیتے۔ یہی عرفانی اشعار، یعنی درد و غم کے مرقعے اور جدائی محبوب حقیقی کے نوحے جن کا زیادہ تر حصہ مصائب، ابتلاؤں اور

۱۔ دیوان امام، ص۱۸۱

سیاست کی گھٹاؤں، زندانوں، ساواک کے حملوں اور تبعیدی سفروں کے دوران ضائع ہو گیا تھا ان میں سے جو کچھ باقی بچ رہا اسے ان کی رحلت کے بعد اب دیوان کی صورت میں شائع کر دیا گیا ہے۔ یہ دیوان ان کی زندگی کا ایک ایسا سربستہ راز ہے جو ان کی مبارک زندگی کے بعد سامنے آیا ہے۔ گویا یہ ان کے شبوں کی ریاضت اور عشق الٰہی کا وہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر ہے جو انسان کو اپنے اندر محو اور مستغرق کر دیتا ہے۔

امام خمینیؒ کے عرفانی کلام کا مطالعہ کیا جائے تو ہر اعتبار سے وہ اپنے دور کے فریدالدین عطار، رومی اور حافظ نظر آتے ہیں۔ اس تحریر میں ہم ان کے عرفانی اشعار کا تیمنا مذکورہ عرفا کے کلاموں سے ایک تقابلی جائزہ پیش کرتے ہیں تاکہ ان کے صحیفہ عرفان کی الٰہی ماہیت کا کچھ اندازہ کیا جا سکے۔

معروف عارف فریدالدین عطار جن کو مولانا روم نے ہفت اقلیم عشق کا راہرو قرار دیا تھا، کا شعر ہے:

دلی کز عشق او بیمار باشد
دوای درد او دیدار باشد[1]

امام نے فرمایا:

من به خال لبت ای دوست گرفتار شدم
چشم بیمار ترا دیدم و بیمار شدم[2]

عطار نے عشق کو بیماری اور اس کی دوا دیدار محبوب کو قرار دیا، جبکہ امام خود محبوب کی نگاہ عشق کی دلنوازی کو بیماری عشق میں اپنے مبتلا ہونے کا سبب بتاتے ہیں۔ اسی طرح عطار ایک اور مقام پر گویا ہیں:

درد دل را دوا نمی دانم
گم شدم سر ز پا نمی دانم[3]

امام نے فرمایا:

۱۔ دیوان عطار، بہ اہتمام و تصحیح تقی تفضلی، مرکز انتشارات علمی و فرہنگی، تہران، ۱۳۶۲ ش، ص ۲۱۱

۲۔ دیوان امام، ص ۱۴۲

۳۔ دیوان عطار، ص ۴۵۱

درد خواهم دوا نمی خواهم
غصه خواهم نوا نمی خواهم[۱]

گویا امام خمینیؒ درد کے طالب ہیں اور دوا ان کو مطلوب ہی نہیں۔ محبوبِ حقیقی کا ایسا عشق انسان کو دنگ کر دیتا ہے۔ مولانا روم فرماتے ہیں:

آن یوسف خوش عذار آمد
وان عیسی روزگار آمد[۲]

امام نے فرمایا:

کوتاه سخن که یار آمد
با گیسوی مشکبار آمد[۳]

ایسی کوتاہ اور خوبصورت مختصر بحر میں اقلیم سخن کے شہنشاہ سخن کو کوتاہ کر کے مشکبار گیسوئے محبوب کی لطافتوں میں کھو جاتے ہیں؛ محبوب کی زلفوں کی خوشبو ان کے مشام جان کو معطر کر کے اپنے سحر میں جذب کر لیتی ہے۔ کوئے دوست کی خاک پر بیٹھے سعدی کا کہنا ہے:

شادی به روزگار گدایان کوی دوست
بر خاک ره نشست به امید روی دوست[۴]

جستجو و فراق محبوب میں مبتلا امام حسرت دیدار کوئے دوست میں کہتے ہیں کہ:

عمری گذشت راه نبردم به کوی دوست
مجلس تمام گشت و ندیدیم روی دوست[۵]

۱۔ دیوان امام، ص ۱۲۰

۲۔ دیباچہ دیوان امام، ص ۲۷

۳۔ دیوان امام، ص ۲۷

۴۔ غزلیات سعدی تصحیح حبیب یغمائی، موسسہ مطالعات و تحقیقات فرہنگی، تہران، ۱۳۶۱ شمسی، ص ۴۰۳

۵۔ دیوان امام، ص ۲۸

اسی طرح سعدی لذت وصال کی منزل کی خبر دیتے ہوئے کہتے ہیں:

یک امشبی که در آغوش شاهد شکرم
گرم چو عود بر آتش نهند غم نخورم[۱]

اسی سے ملتا جلتا امام کا جذب و شوق ملاحظہ ہو:

یک امشبی که در آغوش ماه تابانم
ز هر چه در دو جهان هست روی گردانم[۲]

آپ محبوب کے وصال کو دونوں جہانوں کی تمام نعمتوں سے منہ موڑنے کے لیے کافی سمجھتے ہیں۔ آپ اپنے کلام معجز بیان میں جا بجا لسان الغیب یعنی حافظ شیرازی کی آسمانی اسرار سے بھرپور غزلوں کی طرف ملتفت رہتے ہیں اور تمام شہرۂ آفاق عرفا و شعرا کی مانند مختلف عرفانی اصطلاحات مثلاً رند، شراب، لب زلف خال، میکدہ سبو، ابرو، می، دوست کا فراوان استعمال کرتے ہیں۔ ایک مقام پر حافظ کہتے ہیں:

یاد باد آنکه سرکوی تو ام منزل بود
دیده را روشنی از خاک درت حاصل بود[۳]

جبکہ امام نے اسی تمنا کا اظہار اس پیرائے میں کیا:

کاش روزی به سر کوی توام منزل بود
که در آن شادی و اندوه مرادِ دل بود[۴]

اشعار کے ان چند نمونوں کا جائزہ لینے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے کہ امام خمینیؒ متقدمین کے آثار کا تتبع فرماتے ہوں بلکہ ایک مجذوب و غرق عشق الٰہی شخصیت کے طور پر وہ ماضی کے دوسرے عشاق سے ایک نوع اثر قبول کرتے ہیں، بالکل جیسے ایک ہی منزل کے دو مسافر احساس قربت و تعلق کر کے ایک دوسرے سے متاثر ہوتے ہیں۔ آپ راہ عرفان

۱۔ دیباچہ دیوان امام، ص ۲۷

۲۔ دیوان امام، ص ۲۷

۳۔ دیوان حافظ، انتشارات خوارزمی، تہران، ۱۳۵۹ شمسی، ص ۴۴۲

۴۔ دیوان امام، ص ۱۰۴

کے وہ سالک تھے جو دنیوی تعلقات، انسانی روابط اور دیگر مشغولیات حتی کہ کوچہ علم کے پیچ وخم اور اس کی اصطلاحاتی دنیا کو راہ عرفان کا حجاب سمجھتے تھے۔ چنانچہ اپنی بہو فاطمہ طباطبائی کے نام ایک عرفانی خط میں یوں لکھتے ہیں:

جوانی میں زرق وبرق علمی مفاہیم واصطلاحات کی تحصیل میں سر گرم رہا۔ ان سے نہ تو کوئی نتیجہ حاصل ہوا اور نہ ہی حال۔ ملا صدرا کی طویل و عریض "اسفار اربعہ" نے مجھے محبوب کی جانب پرواز سے روکا۔ محی الدین عربی کی "فتوحات" سے کوئی فتح حاصل ہوئی نہ "فصوص الحکم" سے حکمت ہی ہاتھ آئی۔ باقی علوم کا تو ذکر ہی کیا! چنانچہ فرماتے ہیں:

از "فتوحات" نشد فتحی واز "مصباح" نوری
هرچه خواهم دردرون جامه آن دلفریب است[1]

ایک اور مقام پر فلسفہ اور عرفان کے تمام مفروضوں، منزلوں اور مقامات سے روگرانی کا عندیہ ملاحظہ ہو:

بشکنیم آینه فلسفه وعرفان را
از صنم خانه این قافله بیگانه شویم
فارغ از خانقه و مدرسه و دیرشده
پشت پایی زده بر هستی و فرزانه شویم[2]

آپ خانقاہ و دیر و مدرسہ میں محبوب کو تلاش نہیں کرتے بلکہ اس تلاش میں بالآخر ہستی کی تمام نعمتوں کو مسترد کر دینے کو ہی عقلمندی کی دلیل سمجھتے ہیں، کیونکہ بقول ان کے عاشق دل باختہ کے لیے ان سب میں بہ جز حرف دلخراش کے ہوتا ہی کیا ہے؟

از قیل و قال و مدرسه ام حاصلی نشد
جز رف دلخراش پس از آن همه خروش[3]

آپ اپنی بہو فاطمہ طباطبائی کو اور بالواسطہ طور پر تمام نوجوانوں کو وصیت کرتے ہیں:

۱۔ دیوان امام، ص ۵۱

۲۔ دیوان امام، ص ۱۷۰

۳۔ دیوان امام، ص ۱۳۱

آپ اور تمام موجودات اسی ذات کا جلوہ اور ظہور ہیں۔ کوشش اور ریاضت و مجاہدہ کریں تاکہ اس میں سے ایک چنگاری آپ کو بھی میسر آجائے اور اس میں اس طرح محو ہو سکیں کہ نیستی سے ہستی مطلق کی منزل کو پہنچ جائیں۔

اسی نامے میں ایک مقام پر آپ اپنی بہو کو ہدایت فرماتے ہیں:

حضرت حق کی اپنے خاص بندے سے سرگوشی اس وقت تک صورت پذیر نہیں ہو سکتی جب تک کہ بندہ کا جبل ہستی ایک صاعقے کوند اور دھماکے سے ریزہ ریزہ نہ ہو جائے (کوہ طور کی طرح) " رزقنا اللہ و ایاک" خدا ہمیں اور آپ کو اس منزل عشق صادق پر فائز ہو جانا عطا فرمائے۔

آپ جلوہ دوست کے دیدار کی منزل تک پہنچنے کی سعادت کو حضرت ابراہیمؑ جیسی شخصیات کا حصہ سمجھتے ہوئے اپنے دیوان میں حضرت ابراہیم کی طرف سے جلوہ دوست کے مشاہدے کے راز کو ان کے اس بیان یعنی "انی لا احب الافلین" یعنی میں غروب ہو جانے والوں سے محبت نہیں کرتا، میں مضمر سمجھتے ہوئے کہتے ہیں:

زد خلیل عالم چون شمس و قمر را به کنار
جلوه دوست نباشد چومن و آفل من[1]

راہ عشق پر سفر کے لیے آپ کی ایک اور ہدایت ملاحظہ ہو:

با قلندر منشین گر که نشستی هرگز
حکمت و فلسفه و آیه و اخبار مخواه
مستم از باده عشق عشق تو از مست چنین
پند مردان جهان دیده وهشیار مخواه[2]

ایک اور مقام پر آپ خود محبوب حقیقی کو اپنا محرم راز قرار دیتے ہوئے اس سے یوں مخاطب ہیں:

محرمی نیست که مرهم بنهد بر دل من
جز تو ای دوست که خود محرم اسرار منی[3]

۱۔ دیوان امام، ص ۱۷۴

۲۔ دیوان امام، ص ۱۷۷

۳۔ دیوان امام، ص ۱۸۴

آپ عشق کی آخری منزل پالینے کے لیے جان سے گزر جانے تک کو تیار ہیں:

باید از آفاق و انفس بگذری تا جان شوی
و آنگه از جان بگذری تا در خور جانان شوی[۱]

یعنی پہلے تو منزل حیات کو حاصل کر لینے کے لیے آفاق اور انفس کی منزلوں سے توجہ ہٹانے کی ضرورت ہے اور جب یہ مطلوبہ جان حاصل ہو جائے تو اسے محبوب پر فدا کر دینے سے اس کی توجہ حاصل ہو جاتی ہے۔ تقریباً اسی مضمون کو غالب نے یوں باندھا ہے:

جان تم پر نثار کرتا ہوں
میں نہیں جانتا دعا کیا ہے

امام خمینیؒ راہ عشق میں منصور کی طرح دار کو قبول کرنا اپنے لیے افتخار سمجھتے ہیں، لیکن اس منزل کا پہلا مرحلہ اپنی ذات کی نفی کو قرار دیتے ہیں:

فارغ از خود شدم و کوس انا الحق بزدم
مثل منصور سر دار خریدار شدم[۲]

خلاصہ بیان یہ کہ امام خمینیؒ کی عرفانی شخصیت عشق محبوب حقیقی وازلی میں ڈوب چکی تھی۔ وہ جمال الٰہی کے مشاہدے میں اس حد تک مستغرق تھے کہ تمام دنیاوی علایق اور پیوندان کے لیے بے معنی ہو چکے تھے۔ وہ ساری کائنات کو جلوہ گاہ دوست اور دریائے جمال الٰہی تصور کر کے ساری مخلوقات کو اس دریا ہی کی امواج سمجھتے تھے اور ملحدین و منکرین الٰہی کے وجود الٰہی سے انکار پر تعجب کرتے ہوئے فرماتے کہ کیا یہ عجیب نہیں کہ امواج تو موجود ہوں مگر خود دریا کا وجود نہ ہو؟

ما همه موج و تو دریای جمالی ای دوست
موج دریاست عجب آنکه نباشد دریا![۳]

۱۔ دیوان امام، ص ۱۸۵

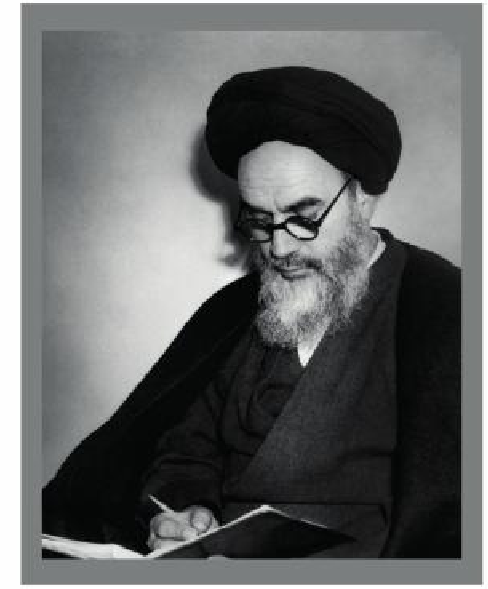
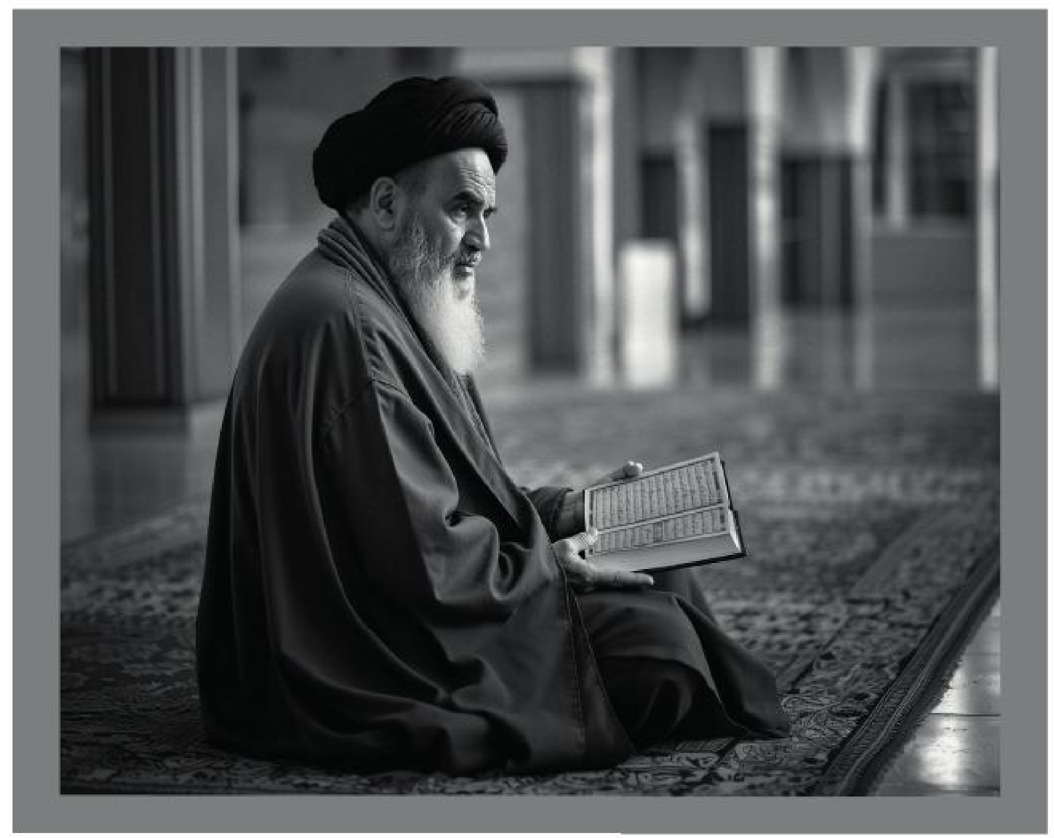
۲۔ دیوان امام، ص ۱۴۲

۳۔ دیوان امام، ص ۴۳

۱۴خرداد کو یہ موج دریائے عرفان سمندر عشق الہی میں ضم ہو کہ سمندر بن گئی۔ آج جب وہ ہم میں نہیں تو ان کا دیوان یعنی صحیفہ عرفان عشاق کے دلوں کو گرماتا اور منور کرتا ہے۔ گویا آج بھی عشاق کو محبوب کی جانب بلاتے ہوئے فرماتے ہوں کہ :

این شیفتگان که در صراطند همه
جوینده چشمه حیاتند همه
حق می طلبند و خودندانند آن را
در آب به دنبال فراتند همه[1]

۱۔ رہ عشق نامہ، عرفانی حضرت امام، موسسہ تنظیم نشر و آثار امام، ۱۳۶۸ شمسی، ص ۳۲

امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے ثمرات

سید منیر حسین گیلانی
سابق وفاقی وزیر تعلیم

امام خمینیؒ اور اسلامی انقلاب کے ثمرات

ایران نے دفاعی اور سائنسی میدان میں غیر معمولی ترقی کی ہے، اس کی تیار کردہ ڈرونز یوکرین جنگ میں بھی استعمال ہو رہے ہیں۔ عالمی پابندیوں کے باوجود ایران اپنی شرائط پر عالمی طاقتوں سے مذاکرات کرتا ہے، جو اس کی بڑھتی ہوئی طاقت اور سفارتی اثر و رسوخ کا ثبوت ہے۔ یہ انقلاب، اپنے مذہب و مسلک سے بالاتر ہو کر، دنیا بھر میں مظلوموں کی آزادی کی تحریکوں کی سیاسی، مالی اور اخلاقی حمایت کر رہا ہے۔ پاکستان، بھارت، یمن، سعودی عرب، عراق، شام، اور دیگر مسلم ریاستوں کے علاوہ انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی اس انقلاب کی حمایت کرتی ہیں۔ نائیجیریا میں آیت اللہ ابراہیم زکزکی کی تحریک امام خمینیؒ کی فکر کا ہی نتیجہ ہے۔ حالیہ پاک بھارت کشیدگی میں ایران نے ثالثی کا مثبت کردار ادا کیا، اور بین الاقوامی فورمز پر کشمیر اور پاکستانی موقف کی حمایت کی۔ یہ تمام حقائق اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ اسلامی انقلاب ایران ایک وسیع پیمانے پر اثر انداز ہونے والی اور عالمی سطح پر قابل قبول قوت بن چکا ہے۔ زیر نظر تحریر میں سابق وزیر تعلیم سید منیر حسین گیلانی جو معروف کالم نویس بھی ہیں کے انقلاب کے حوالے سے مطالعات کا حاصل ہے۔ (ادارہ)

آج الحمد للہ! ایران کے انقلاب اسلامی کو قائم ہوئے ۴۶ برس ہو چکے ہیں۔ یہ انقلاب ایک شخص یا ایک دن کی جدوجہد نہیں، دہائیوں پر محیط زمانہ گذرا اور لاکھوں افراد نے اپنی جانوں کی قربانیاں دیں، تب جا کر ایران وہ ملک بنا جس نے صدیوں سے قائم بادشاہت کا بت پاش پاش کر دیا۔ ایران کے حوزہ ہائے علمیہ میں درس وتدریس میں مشغول علماء اسلام نے اسلامی انقلاب کی ابتدا امام خمینی ؒ کی قیادت کے منظر عام پر آنے سے پہلے ہی کر دی تھی۔ جیسے کہ علماء کی قیادت میں برطانوی حکومت کی مداخلت کے خلاف 'تمبا کو بائیکاٹ تحریک' شروع ہوئی، اس وقت کے مرجع تقلید آیت اللہ سید محمد حسن شیرازی نے ۱۸۹۱ء میں فتویٰ جاری کیا کہ تمبا کو کا استعمال حرام ہے، جس کے نتیجے میں عوام نے تمبا کو چھوڑ دیا اور اس وقت کی ایرانی شاہی حکومت کا برطانوی ریجی کمپنی کے ساتھ پچاس سالہ معاہدہ ختم ہو گیا۔ حوزہ علمیہ قم المقدس سے امام خمینی ؒ کی طاقتور للکار اٹھی تو حکومت نے اسے دبانے کے لیے رہبر انقلاب اسلامی کو ایران سے عراق جلاوطن کر دیا لیکن عراقی حکومت بھی امام خمینی ؒ کی انقلابی سرگرمیوں کو برداشت نہ کر سکی تو وہ فرانس چلے گئے۔ انھوں سے بیرون ملک بیٹھ کر بھی ایران میں موجود انقلابی روحانی قیادت کے ساتھ مسلسل رابطہ برقرار رکھا اور ان کی رہنمائی کرتے رہے۔ آخر شاہ ایران نے ظلم وبربریت اور غیر ملکی سرپرستی کے باعث علماء اور عوام کا جینا دوبھر کر دیا، اس وقت شاہ ایران کے خلاف متحرک افراد کو ایران کی ایجنسیوں کے ذریعے قتل کیا جاتا رہا اور بہت زیادہ تعداد میں نوجوانوں کو تہران اور قم کے درمیان 'حوز سلطان المعروف نمک کی جھیل' میں ہیلی کاپٹر سے نیچے گرایا جاتا کہ ان کی چیخیں تک سنائی نہ دیتی تھیں۔ شاہ ایران کے ظلم کے خلاف عوام میں بیداری اور انقلابی راستوں کو آشکار کرنے کے لیے پیرس کے نواحی گاوں 'نوفل لوشاتو' سے درویش صفت رہبر انقلاب اسلامی امام خمینی ؒ نے ایران کے عظیم عوام

کی رہنمائی کرتے ہوئے اتنا دباؤ بڑھایا کہ شاہ ایران کو اپنے خاندان کے افراد کے ساتھ ملک بدر ہونا پڑا اور جب ایران کے بڑے شہروں خصوصاً تہران میں عوام کا جم غفیر سڑکوں پر نکل آیا تو ایران میں موجود متدین اور انقلابی ساتھیوں کی اپیل پر آپ فرانس سے ایک پرواز کے ذریعے تہران ایئرپورٹ پر پہنچے۔ ایران کی سرزمین پر آپ کی پرجوش اور تاریخی آمد عوام کے استقبال میں رونما ہوتی نظر آئی۔

امام خمی نے مشاورت سے بادشاہت سے پاک ملک کو اسلامی جمہوری ایران کا نام دیا۔ نئی انقلابی حکومت تشکیل دی گئی لیکن اس قسم کا انقلاب دنیا نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا کہ جس کی قیادت ایک بوریا نشین متقی عالم دین کر رہا ہو۔ اس انقلاب سے پہلے اور بعد میں بھی ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ آپ نے پہلی فرصت میں ہی عوامی ریفرنڈم کے ذریعے مملکت کا اسلامی دستور بنا کر ریاست کے خدوخال واضح کر دیے جس کی بنیاد قرآن وحدیث اور سیرت اہل بیتؑ پر رکھی گئی۔ اسلامی حکومت تشکیل پائی۔ ماہر سیاستدان سید ابوالحسن بنی صدر کو حکومت کا سربراہ بنایا گیا لیکن چند ہی دنوں بعد اس کی مشکوک سرگرمیوں کی بنیاد پر انھیں اقتدار سے ہٹا دیا گیا اور وہ ملک چھوڑ کر فرانس فرار ہو گیا۔ پارلیمنٹ نے اس کا مواخذہ کر کے اسے عہدے سے ہٹا دیا۔ ابتدائی دنوں میں ہی ایران کے نوزائیدہ انقلاب کو سبوتاژ کرنے کے لیے عراقی حکومت کے ذریعے جنگ مسلط کی گئی جبکہ ایران کے اندر اسلامی انقلابی حکومت کے رہنماؤں کو مختلف طریقوں سے قتل کیا جانے لگا۔ عالی شان محلات کی بجائے امام خمینیؒ نے تہران کے نواحی علاقے جماران میں بہت ہی سادہ رہائش رکھی، امام خمینیؒ دو کمروں کے گھر میں رہتے تھے، جس کے ساتھ مسجد اور حسینیہ تھا۔ حسینیہ کی بالکونی میں بیٹھ کر لوگوں سے خطاب کرتے اور یہیں بیرون ملک سے آنے والے رہنماؤں سے ملاقاتیں بھی کرتے تھے۔

امام خمینیؒ کے ساتھی اور حکومتی عہدیدار پارلیمنٹ ہاؤس میں ہونے والے دھماکے میں وزیر اعظم محمد علی رجائی کے ساتھ شہید ہوئے تو عوام کی ایک بڑی تعداد تنگ گلیوں سے گزرتے ہوئے رہبر انقلاب اسلامی کی رہائش گاہ پر پہنچی۔ ہر آنکھ اشکبار تھی اور نعرے لگا رہی تھی آغا: رجائی نیستند، باہنر نیستند، امام خمینیؒ حسینیہ کی بالکنی پر آئے اور ہاتھوں کو لہراتے ہوئے دنیا کی عظیم شخصیت کو یہ کہتے سنا: رجائی و باہنر نیستند، خدا ہست۔ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اعلیٰ پر یقین رکھنے والے عظیم انسان نے اگلے عام انتخابات کا اعلان کر دیا۔ بین الاقوامی سامراجی سازشوں کے ذریعے ایران کے ہمسایہ ممالک کو انقلاب اسلامی کا خوف اجاگر کر کے ایران کے خلاف متحد کیا گیا اور ان کے حکمرانوں کے اندر افراتفری پھیلانے کے لیے سرمایہ کاری کی گئی، سازشوں کے جال بنے گئے لیکن خدا کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ امام انقلاب نے اسرائیل امریکہ، روس (USSR) اور یورپی ممالک کو لا شرقیہ لا غربیہ کا نعرہ لگا کر للکارا۔

سامراج نے پراپیگنڈہ کے ذریعے ہمسایہ ممالک کو باور کروانا شروع کر دیا کہ ایران میں خمینی کا انقلاب تمھاری بادشاہتوں اور آمرانہ نظام کو بھی ختم کر دے گا۔ لہٰذا انقلاب کو ختم کرنے کے لیے سب متحد ہو جاؤ۔ آٹھ سالہ ایران عراق جنگ میں ہمسایہ عرب ممالک کا سرمایہ اور سامراجی ممالک خاص طور پر امریکہ، برطانیہ اسرائیل کا اسلحہ بھی ایران کے اسلامی انقلاب کو نہ روک سکا بلکہ ہر قسم کی بین الاقوامی پابندیوں کے باوجود امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے بعد اب تک علمائے اسلام کی حکومت نہ صرف موجود ہے، بلکہ موجودہ رہبر انقلاب آیت اللہ سید علی خامنہ ای کی قیادت میں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی گئی۔

وہ وقت بھی سامنے ہے کہ لبنان کی شیعہ امل تحریک سے لے کر حزب اللہ کے سربراہ شہید حسن نصر اللہ اور اب تک اسرائیل کے گرد گھیرا تنگ ہے۔ وہ مسئلہ فلسطین جس کو سامراج سمجھتا تھا کہ سرزمین انبیاؑ صیہونی حکومت کے زیر اثر رہے گی اور ناجائز صیہونی حکومت کا حصہ بنے گی لیکن ایران کے اسلامی انقلاب نے فلسطین اور غزہ کی پٹی میں حماس کے مختصر نوجوانوں کی مدد کر کے اسرائیل کا مقابلہ کیا، جواب تک جاری ہے۔ یہ بھی اسی انقلاب کے اثرات میں سے ہے کہ یمن نے بھی بڑے دلیرانہ انداز میں بحر احمر کے اندر امریکہ جیسی بڑی طاقت کو ناکوں چنے چبوائے اور امریکہ آج مجبور ہوا ہے کہ حوثی قبائل کی تنظیم انصار اللہ کے ساتھ مذاکرات کر کے اپنے بحری بیڑے اور جہازوں کو محفوظ کرنے کی اپیل کرے۔ اسلامی انقلاب نے عراق کی حشد الشعبی کو اتنا جرات مند کر دیا ہے کہ وہ امریکہ کو للکار کر ملک سے نکلنے کا حکم دے رہے ہیں۔ اس انقلاب کے دفاعی اور سائنسی میدان میں ترقی کے اثرات یہاں تک پہنچ چکے ہیں کہ یوکرائن کی جنگ میں ایران کے تیار کردہ ڈرون روس جیسا ملک خرید کر تین سال سے استعمال کر رہا ہے۔ کیا کوئی سوچ سکتا تھا کہ بین الاقوامی پابندیوں کے باوجود تمام شعبہ ہائے زندگی میں ایران دن دوگنی رات چوگنی ترقی کر سکتا ہے اور امریکہ جیسی بڑی طاقت اپنی تمام تر چال بازیوں کے باوجود ایران سے مذاکرات کی بھیک مانگتی ہے اور ایران اپنی شرائط پر مذاکرات کی میز پر آتا ہے۔ مذاکرات کا چوتھا دور بھی مکمل ہو گیا ہے اور خود امریکہ کہہ رہا ہے کہ ہماری بات چیت آگے بڑھ رہی ہے لیکن ایرانی قیادت ان مذاکرات سے کوئی زیادہ پر امید نہیں ہے۔ کوشش کی گئی کہ انقلاب اسلامی کو محدود کیا جائے لیکن نتائج بتاتے ہیں کہ دوسرے ممالک میں اگر انقلاب برپا نہیں ہوا تو اس کے اثرات اور اس کی قبولیت میں اضافہ ضرور ہوا ہے۔ ہر ذی شعور، انسانی اور اسلامی فکر رکھنے والا، وسعت فکر اور انسانی آزادیوں پر یقین رکھنے والا شخص انقلاب کا حامی نظر آتا ہے۔

پاکستان ہو، بھارت، یمن، سعودی عرب، عراق، شام یا دیگر مسلم ریاستیں یا انسانی حقوق کی بات کرنے والے لوگ یا جماعتیں سب انقلاب اسلامی کی حمایت میں بات کرتی ہیں۔ نائیجیریا میں اسلامی انقلاب نے بڑے اثرات مرتب کیے ہیں۔ آیت اللہ ابراہیم زکزکی نے جو انقلاب نائجیریا میں برپا کیا ہے اور جو تڑپ انھوں نے عوام کو دی ہے یہ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی فکر ہی کا نتیجہ ہے

۔ بلا تفریق مذہب و مسلک پاکستان میں انقلاب اسلامی کو ماننے والے اور اس کا دفاع کرنے والے اور اس کے ساتھ کھڑے ہونے والوں کی ایک بڑی تعداد موجود ہے۔ اسی طرح سے انقلاب ایران کے ہی اثرات ہیں کہ ایرانی وزیر خارجہ نے حالیہ پاک بھارت کشیدگی کے دوران دونوں ممالک کے درمیان جنگ بندی کے لیے اپنا کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ بین الاقوامی فورموں پر کشمیر پر بات کرنے والا، پاکستان اور کشمیریوں کے موقف کی حمایت کرنے والا ملک ایران نظر آتا ہے۔ دنیا میں مظلوموں کی آزادی کی تحریکوں کی ایران سیاسی مالی اور اخلاقی مدد کر رہا ہے۔ ایران سمجھتا ہے کہ عوام کے حقوق ان کی خواہشات کے مطابق دیے جائیں۔ ایک پاکستانی ہونے کی حیثیت سے بات کروں تو مجھے اچھا لگا کہ اگر انڈیا کے ایک فوجی اینکر نے ایرانی وزیر خارجہ کے بارے میں ٹی وی شو میں نازیبا الفاظ استعمال کیے تو اسی کے جواب میں ایران نے وزیر اعظم شہباز شریف کو تہران دورے کی دعوت دی۔ حالیہ کشیدگی میں ایران نے جو مثبت سفارتی کردار ادا کیا ہے، بھارت کی چیخوں کی آوازیں دنیا بھر نے سنی ہیں۔ وہ امریکہ جو ایران کو تنہا کرنا چاہتا تھا، آج سفارتی سائنسی دفاعی اور عالمی سیاست میں ہر جگہ موجود ہے۔

امام انقلاب

ڈاکٹر سید مشتاق مھدی

امام انقلاب

دنیا نے کئی انقلابات دیکھے ہیں، جیسے سماجی ناانصافی، معاشی عدم مساوات، طبقاتی نظام، ریاستی جبر اور بنیادی حقوق کے حصول کے لیے۔ تاہم، انقلاب ایران ان سب سے مختلف ہے کیونکہ اس کا بنیادی اور مرکزی عامل نظریہ قرآن ہے، جو فرد اور معاشرے دونوں کو یکسر بدل دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے بقول، جب قرآن روح میں سماجاتا ہے تو جان بدل جاتی ہے اور جب جان بدل جاتی ہے تو جہاں بھی بدل جاتا ہے۔ یہ انقلاب محض کسی رد عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ زمین پر اللہ کی بندگی قائم کرنے کے لیے برپا ہوا ہے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا سب سے عظیم کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے قوم کو اللہ کی بندگی سکھائی، جس سے وہ ہر طاغوت کا انکار کر کے خوف اور غم سے آزاد ہو گئی۔ سید روح اللہ خمینیؒ نے یہ معجزہ کر دکھایا کہ عالمی استعمار اپنے تمام مادی، علمی اور تکنیکی وسائل کے باوجود اس انقلاب کی ماہیت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ عالم کفر مبہوت ہو کر رہ گیا اور اپنی سازشوں میں ناکام رہا۔ آج جب دنیا سرمایہ دارانہ، کمیونسٹ اور سوشلسٹ نظاموں کے ہاتھوں معاشی، اقتصادی، سیاسی اور اخلاقی بحرانوں میں مبتلا ہے، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کے نظریہ امامت کو ایک جاندار، زندہ اور مشکل کشا نظام کے طور پر پیش کیا اور اسے خطہ ارضی پر نافذ کر کے یہ ثابت کیا کہ یہ نظام عالمی مسائل کو حل کرنے اور انسانیت کے دکھوں کا مداوا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ نظام دنیاوی و اخروی سعادتوں اور کامیابیوں کا ضامن ہے اور اسی کے ذریعے اللہ کا وعدہ پورا ہونا ہے کہ "زمین کے وارث ہمارے نیک بندے ہوں گے۔ (ادارہ)

روح اللہ خمینی ۲۳ ۱۲ اکتوبر ۱۹۰۲ء کو ایران کے گاؤں خمین میں پیدا ہوئے. ان کا نسب ائمہ اہلبیت علیہم السلام میں سے ساتویں امام حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ملتا ہے. کتاب "اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے معمار' کے مطابق ابتدا ان کا خاندان نیشاپور میں آباد تھا. اٹھارویں صدی کے آغاز میں ہجرت کر کے یہ خاندان لکھنؤ کے قصبہ کنتور میں آباد ہو گیا (جبکہ بہت سے لوگوں کشمیر بتاتے ہیں)۔ روح اللہ کے دادا احمد موسوی کنتور میں پیدا ہوئے. وہ حجۃ الاسلام میر حامد حسین لکھنوی مصنف "عبقات الانوار" کے رشتہ دار اور ہم عصر تھے۔ احمد موسوی ۱۸۳۰ء میں بغرض زیارات نجف اشرف گئے جہاں ان کی ملاقات خمین کے ایک بڑے تاجر اور زمیندار سے ہوئی، اس نے ان کو خمین ایران میں مستقل قیام پر آمادہ کر لیا۔ اسی گاؤں کی نسبت سے روح اللہ, خمینی کہلائے. ابتدائی تعلیم اسی گاؤں میں حاصل کی, پھر اراک میں آیت اللہ عبد الکریم حائری سے شرف تلمذ حاصل ہوا۔ آقائے حائری قم تشریف لائے تو لائق شاگرد بھی ساتھ رہے۔ عظیم استاد کی زیر نگرانی تحصیل علم اور تزکیہ نفس کے مراحل طے کیے اور درجہ اجتہاد پر فائز ہوئے۔ پھر قم کو ہی اپنی تدریسی اور انقلابی سرگرمیوں کا مرکز بنالیا. آپ کا حلقہ درس قم کا سب سے بڑا تعلیمی حلقہ تھا جس میں طلبہ کی تعداد پانچ سو سے زیادہ ہوتی تھی۔ آپ تدریس کے علاوہ طلبہ کی ظاہری اصلاح اور باطنی طہارت پر بہت زیادہ توجہ دیتے۔

انقلاب کے لغوی معنی تبدیلی اور تغیر کے ہیں۔ یہ تبدیلی کبھی جزوی اور کبھی کلی ہوتی ہے. تبدیلی فرد میں بھی وقوع پذیر ہوتی ہے اور معاشرے میں بھی۔ فلسفہ کی رو سے کسی شئ کی ماہیت کے بدل جانے کو انقلاب کہتے ہیں۔ فرد میں فکر و عمل کا انقلاب آتا ہے اور معاشرے میں نظام اور ترجیحات کا۔ معروف دانشور اور انقلاب اسلامی ایران کے چشم دید گواہ جناب مختار مسعود

نے خوب صورت پیرائیہ میں انقلاب کی واقعاتی تعبیر کی ہے. وہ اپنی تصنیف "لوح ایام" میں لکھتے ہیں:

> شروع کے چند مہینوں میں جن لوگوں کو سزا ہوئی تھی. ان میں منوچہر آزمون کا مقدمہ سب سے زیادہ دلچسپ ثابت ہوا۔ یہ ایرانی مجلس کے ڈپٹی یعنی پارلیمنٹ کے ممبر تھے۔ یہ منصب پاکستان میں کمشنر کے عہدے کے برابر ہے۔ کمشنر منوچہر صاحب ایک بار دیہات کا دورہ کرتے ہوئے کسی ایسی جگہ پہنچے جہاں نشیب میں تھوڑا سا پانی کھڑا تھا، کیچڑ سے جوتے اور گدلے پانی کی چھینٹوں سے اپنے کپڑے بچانے کے لیے جناب گورنر جنرل صاحب ایک شخص کی پشت پر سوار ہو گئے۔ تصویر میں دوسرے تمام آدمی ٹخنوں سے بھی نیچے رہ جانے والے پایاب پانی میں پیدل چل رہے ہیں مگر منوچہر آزمون ایک غریب آدمی پر سوار تھے۔ جیسے وہ بار برداری کا جانور ہو یا ناز برداری کے لیے غلام۔ تصویر کے نیچے لکھا تھا, پائے نازنین کو کیچڑ سے بچانے کے لیے دوسروں پر سواری کرنے والا شخص۔ مقدمہ چلا اور کیچڑ کی چھینٹوں سے بچنے والا خون کی چھینٹوں سے تر ہو گیا۔ جب عوام اپنی گردن پر سوار ہونے والوں کو نیچے پٹخ دیں تو اس عمل کو انقلاب کہتے ہیں۔ جب مفاد پرست عوام کی گردن پر سوار ہوں اور نیچے اترنے سے انکار کر دیں تو اس کیفیت کو زمینداری, جاگیر داری, سرداری اور تمن داری کہتے ہیں.

کارل مارکس نے کہا تھا:

> انقلاب فقط اس لیے ضروری نہیں کہ حکمران طبقے کو انقلاب کے علاوہ کسی اور ذریعے سے اقتدار سے بید خل نہیں کیا جا سکتا بلکہ انقلاب اس وجہ سے بھی ضروری ہے کہ انقلاب ہماری ذات کی تطہیر کرتا ہے۔اس سے اطاعت و بندگی, تذبذب اور تشکک کے داغ دھل جاتے ہیں اور انسان اس آگ سے کندن بن کر نکلتا ہے.

انقلاب میں وقت کی رفتار تیز ہو جاتی ہے. بقول لینن:

> زمانہ بیل گاڑی کے بجائے بھاپ کے انجن کی رفتار سے چلنے لگتا ہے.

تب صدیوں کی مسافت دنوں میں طے ہو جاتی ہے. پیداواری اصول بدل جاتے ہیں. سماجی رشتے اور ثقافتی رویے نئے سرے سے استوار ہوتے ہیں. زندگی کی قدریں اور فکر کے جدید زاویے تخلیق ہوتے ہیں.

چشم فلک نے کئی انقلاب دیکھے۔ سماجی ناانصافیوں کے خلاف انقلاب, معاشی وسائل کی ناجائز تقسیم کے خلاف انقلاب, طبقاتی نظاموں کے خلاف انقلاب, ریاستی جبر کے خلاف انقلاب, بنیادی حقوق کے حصول کے لیے انقلاب اور لسانی و قومی انقلاب۔ لیکن انقلاب ایران کا شمار ان میں نہیں ہوتا. اس کا اساسی اور مرکزی عامل نظریہ قرآن ہے جس کے تحت فرد اور معاشرہ دونوں

یکسر بدل جاتے ہیں۔ اس تبدیلی کے بارے میں علامہ اقبال نے کہا تھا:

چون بجان در رفت جان دیگر شود
جان چون دیگر شد جہان دیگر شود

یعنی جب یہ (قرآن) روح میں سما جاتا ہے تو جان کچھ اور ہی ہو جاتی ہے اور جب جان کچھ اور ہو جاتی ہے تو جہاں بھی کچھ اور ہو جاتا ہے۔

انقلاب اسلامی "کچھ سے کچھ اور ہی کا سفر ہے، یہ کسی رد عمل کا نتیجہ نہیں بلکہ یہ ارض اللہ پر بندگی رب قائم کرنے کے لیے بپا ہوا ہے۔ سورہ بقرہ میں ارشاد الٰہی ہے کہ:

فَمَنۡ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ

جس جس نے میری ھدایت کی پیروی کی، پھر انھیں نہ تو کوئی خوف ھوگا اور نہ ھی وہ غمگین ھوں گے۔

روح اللہ خمینی کا سب سے عظیم کارنامہ یہی ہے کہ انھوں نے قوم کو رب کی بندگی سکھادی۔ قوم بھی کرہ ارض پر "لاالہ الااللہ" کی قولی، علمی و عملی گواہ بن گئی اور اس نے ہر طاغوت کا انکار کردیا۔ اب ان کے لیے خوف تھا نہ حزن۔ عوام خمینی رہبر کی قیادت میں نخوت شاہی سے ٹکراگئے، پھر کیا ہوا؟. جماعت اسلامی کے رہنما سید اسعد گیلانی "سفر نامۂ ایران" میں لکھتے ہیں:

اس ٹکراؤ میں بے شمار مظلوم شہید ہوئے. بس ایک کربلا برپا ہو گئی لیکن صدیوں بعد اس کربلا میں حسین بچ گیا اور یزید مارا گیا تھا. صدیوں بعد یہاں کربلا کا بدلہ پورا ہو گیا۔ خلافت جیت گئی اور ملوکیت ہار گئی۔

کربلائے عصر میں وقت کا حسین بچ بھی گیا اور معنوی کامیابی کے ساتھ ساتھ ظاہری طور پر بھی کامیاب رہا۔ یزید میدان سے فرار ہو گیا اور عالم مسافرت میں مرکھپ گیا۔ نظریہ امامت جیت گیا اور نظریہ طاقت ہار گیا۔

سید روح اللہ خمینی نے وہ معجزہ کر دکھایا کہ عالمی استعمار اپنے تمام تر مادی, علمی اور ٹیکنالوجیکل (Technological) وسائل کے باوجود اس انقلاب کی ماہیت کو سمجھنے سے قاصر رہا۔ کل ایمان کے بیٹے نے کل کفر پر وہ ضرب لگائی کہ:

فَبُهِتَ الَّذِیۡ كَفَرَ ......(سورہ بقرہ)

عالم کفر مبھوت ھو کر رہ گیا ھے. اب عالم کفر و نفاق کے صنادید اور مترفین

پریشانی وسرگردانی میں اپنے مکر وحیلے کے داؤ پیچ آزمارھے ھیں اور آزماتے رھیں گے۔

اِنَّهُمۡ يَكِيدُونَ كَيۡدًا ...(سورہ طارق)

لیکن ذلت ورسوائی ان کے لئے لکھ دی گئی ھے.

ضُرِبَتۡ عَلَيۡهِمُ الذِّلَّةُ......(سورہ آل عمران)

آج جب کہ دنیا کیپٹلسٹ (Capitalist)، کیمونسٹ (Communist) اور سوشلسٹ (Socialist) نظاموں کے ہاتھوں معاشی، اقتصادی، سیاسی اور اخلاقی بحرانوں میں مبتلا ہو چکی ہے۔ امام خمینیؒ نے اسلام کے نظریہ امامت کو ایک جاندار قوت، زندہ حقیقت اور مشکل کشاء نظام کے طور پر اقوام عالم کے سامنے پیش کیا ہے اور اس کو خطہ ارضی پر نافذ کر کے بتادیا ہے کہ یہ وہ نظام ہے جو عالمی مسائل کو حل کرنے کی صلاحیت بھی رکھتا ہے اور انسانیت کو درپیش دکھوں کا مداوا بھی کر سکتا ہے، یہی وہ نظام ہے جو دنیاوی واخروی سعادتوں اور کامیابیوں کا ضامن ہے اور اسی نظامِ امامت کے ذریعے سے ہی اس وعدہ الٰہی کو پورا ہونا ہے۔

اَنَّ الۡاَرۡضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوۡنَ (الانبیاء ۱۰۵)

زمین کے وارث ھمارے نیک بندے ھوں گے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ امام خمینیؒ نے ولایتِ فقیہہ کا عظیم نظریہ پیش کر کے عالمی نظام میں ایک بڑی تبدیلی کا اعلان کر دیا ہے، ولایتِ فقیہہ ایک سیاسی مسئلہ نہیں بلکہ اس ارتباط واتصال کا وسیلہ ہے جو حسی، اشراقی اور الہامی معرفت سے واقع ہوتا ہے۔ یہ امامت کی تجلی ہے اور اسلام کی نشاۃِ ثانیہ (Renaissance) کی نوید ہے۔ فضیلت وہ ہوتی ہے جس کی گواہی دشمن دے " الفضل ما شهدت به الاعداء"

امریکی دانشور اور سابقہ وزیر خارجہ ہنری الفریڈ کسنجر (Henry Alfred Kissinger) اعتراف کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

> آیت اللہ خمینی نے مغرب کو منصوبہ بندی کے سنجیدہ بحران سے دوچار کر دیا ہے، ان کی تعلیمات اس برق رفتاری سے آتی ہیں کہ وہ سیاست مداروں اور سیاسی نظریہ پردازوں سے ہر قسم کے تفکر اور منصوبہ بندی کی قوت کو چھین لیتی ہیں۔ کسی میں بھی یہ قدرت نہ تھی کہ ان کے ارادوں کے بارے میں پہلے سے کوئی اندازہ لگا سکے، وہ مروجہ معیاروں سے ہٹ کر گفتگو کرتے اور عمل پیرا ہوتے ہیں، گویا وہ کسی دوسرے مقام سے الہام لیتے ہیں۔ آیت اللہ خمینی کی مغرب سے دشمنی ان کی الٰہی تعلیمات کا نتیجہ تھی۔ وہ دشمنی میں بھی خلوص نیت رکھتے تھے۔

اٹلی کے معروف خبر نگار ''ماسیمو فینی'' اپنے اخبار ''ایل جورنو'' میں لکھتا ہے :

اسلامی انقلاب کی حقیقت اور امام خمینیؒ کا تفکر بہت گہرا ہے اور دنیائے غرب اس کی گہرائی کا ادراک کرنے سے عاجز ہے .

صدر جارج بش کہتا ہے کہ میں نے اس وقت کے محکمہ C.I.A کے سربراہ کہ جسے انقلاب کی کامیابی کی وجہ سے برطرف کر دیا گیا تھا، سے پوچھا: تم دنیا کے کونے کونے میں پھیلے ہوئے تھے، تمھارے پاس ترقی یافتہ ٹیکنالوجی تھی اور اس قدر بجٹ خرچ کرتے ہوئے بھی تم ایرانی ملت کے انقلاب کے متعلق پیشین گوئی نہ کر سکے تو اس نے جواب دیا:

جو کچھ ایران میں رونما ہوا وہ بیان نہیں کیا جا سکتا. ہمارے کمپیوٹر اسے نہیں سمجھ سکے .

عالمی استعمار اور اس کے گماشتے اچھی طرح جانتے ہیں کہ اگر انقلاب اسلامی کا پیغام اور اس کی صدا ہر جگہ گونجنے لگی تو پھر ان کے مکروہ ارادے پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتے۔ لہٰذا انھوں نے ابتدائی ایام ہی سے امام خمینیؒ کے افکار کا سنجیدگی سے مقابلہ شروع کر دیا اور انقلاب کے خلاف اپنی منحوس سازشوں کو عملی جامہ پہنانے کے لیے شب و روز مصروف ہو گئے اور اس ہدف کو حاصل کرنے کے لیے صرف سی۔آئی۔اے کی طرف سے دسیوں انسٹیٹیوٹس (Institutes) اور اداروں نے امریکہ میں اسلام اور تشیع کے بارے میں مطالعہ اور تحقیق کا آغاز کر دیا[1]

کفر کے علم بردار آرزو لگائے بیٹھے تھے کہ امام خمینیؒ کی رحلت کے بعد انقلاب کا سورج ڈوب جائے گا لیکن رہبر معظم سید علی خامنہ ای کی دانشمند قیادت نے ان پر مزید خوف طاری کر دیا۔ انگریزی اخبار ''ڈیلی ٹیلی گراف لندن'' اپنی ۱۹۸۹۔٦۔۹ کی اشاعت میں لکھتا ہے .

ایران کے دشمنوں پر یہ وحشت طاری ہے کہ آیت اللہ خمینی کی روح اسی طرح سے ایران کی رہبری اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہے۔

عالمی استعماری اداروں نے انقلاب اور تشیع کے بارے میں جو اپنی تحقیقات پیش کیں، ان کا نچوڑ یہ ہے۔

۱۔ مائیکل برانٹ : یہ اپنی کتاب '' تفرقہ ڈالو اور تباہ کر دو'' میں لکھتا ہے .

شیعوں کے ساتھ مقابلے کا واحد راستہ ان کے نظریہ مہدویت اور جذبہ جہاد کو توڑنا اور تباہ کرنا ہے۔

۱۔ فرانسیسی اخبار (لوموندہ: ۱۹۸۴۔۱۱۔۱۵)

۲۔ کاؤنٹ ڈی مارانش (Count De Marenches)

یہ فرانسیسی جاسوسی ادارے کا سربراہ ہے۔ اس نے اپنی تحقیقی کتاب ''Fourth World Order'' میں پیش کرتے ہوئے لکھا:

شیعہ نظریات میں مہدی پر عقیدہ اور اس کا نجات دہندہ ہونا، مغرب اور ایران کے مابین اختلاف کی اصل جڑ ہے۔

۳۔ فرانسس فوکویاما (Francis Fukuyama)

فرانسس فوکویاما امریکی ماہر سیاسیات اور سیاسی ماہر اقتصادیات ہے، جب وہ ۱۹۸۶ء میں یروشلم میں موجود شیعہ شناسی کے مرکز پہنچا اور ولایت فقیہ کے بارے میں مطالعہ کیا تو اس نے صیہونی اور دنیا بھر کے سیاسی افراد کو خبر دار کیا کہ شیعوں کے لیے مضبوط ڈھال نظریہ ولایت فقیہ ہے۔ اس نے ایک کانفرنس منعقد کروائی جس کا عنوان تھا ''شیعوں کی شناخت'' اس کانفرنس میں اس نے بتایا کہ شیعوں کو تباہ کرنے کا واحد راستہ نظام ولایت فقیہ کو ختم کرنا ہے۔ اگر ہم شیعوں کی اس ڈھال کو نہ توڑیں گے تو کبھی بھی شیعوں پر غلبہ نہیں پا سکیں گے۔

۴۔ ہنری الفرڈ کسنجر (Henry Alfred Kissinger)

یہ اپنی کتاب world order جو ۲۰۱۴ء میں Penguin Publications کی طرف سے شائع ہوئی، میں ایرانی صدر احمدی نژاد کے جارج بش کو لکھے گئے خط کے اختتامی جملے کی طرف اشارہ کرتا ہے، جو انگریزی ترجمے کے بغیر لکھا گیا تھا۔

والسلام علی من التبع الھدی

کسنجر کہتا ہے کہ "اس کا معنی یہ ہے کہ صلح ان لوگوں کے لیے جو سیدھے راستے کی طرف چلے۔ یہ جملہ پیغمبرؐ کے ان خطوط کے آخر میں لکھا گیا تھا جو انھوں نے روم اور ایران کے بادشاہوں کے نام لکھے تھے، جو اسلام کی طرف سے کچھ ہی عرصہ بعد مورد حملہ واقع ہوئے۔ اس بنا پر وہ خط کی اس تحریر کو ایک طرح کی مسلمان معاشروں کے قائدین اور عوام کی طرف سے مغربی نظم کو درہم برہم کرنے کا انتباہ قرار دیتا ہے۔

عالمی استعمار نے اپنے مکروہ مقاصد کے حصول کے لیے انحرافی، فکری اور ثقافتی یلغار کا آغاز کر دیا ہے لیکن ملت کو جاننا چاہیے کہ اسلام اور تشیع کسی فرد کی تخیل آفرینی یا قیاس آرائی کا نتیجہ نہیں کہ جس کے فکری دائرے کو تجربے اور مشاہدے کی بنیاد پر تبدیل یا اس کی عملی حد بندی میں رد و بدل کیا جا سکے۔ دین حکیم و علیم رب العالمین کی طرف سے حجت بالغہ ہے، جو بذریعہ وحی صادق و امین نبیؐ کے قلب پر متجلی ہوا جس کے لیے امین فرشتے نے ۲۳ سال تک پیغام رسانی کی،

اعلان تکمیل دین کے بعد اس کی فکری جہتوں اور عملی روشوں میں ترمیم و تنسیخ یا کمی و بیشی ناممکن ہے۔ ہاں البتہ کائنات کی حرکی (Kinetic) اور جدلیاتی (Dialectic) تبدیلیوں اور ارتقائی روشوں کے ساتھ مطابقت پیدا کرنے کے لیے اجتہاد ناگزیر ہے، یہ اجتہاد نئے مسائل اور عصری مشکلات کا حل قرآن و سنت کی روشنی میں ڈھونڈنے کے لیے ایک علمی ادارہ ہے جو زمانہ غیبت امام میں دین کے لیے فکری و عملی حصار کا کام کرتا ہے تاکہ کوئی راہزن فکری یا عملی نقب نہ لگا سکے اور اپنے مفادات کی پیوند کاری نہ کر سکے۔

۴جون ۱۹۸۹ء کو روح اللہ نے اپنی مطمئن، شاداں و فرحاں روح کو باری تعالیٰ کے سپرد کر دیا۔ اے رہبر بزرگ! ہمارے لاکھوں سلام ہوں آپ کے پاک جسم پر، آپ کی پاک روح پر۔ اے امید مستضعفان جہان! اللہ کی رحمتیں آپ پر نازل ہوتی رہیں جب تک کہ مشرق سے سورج طلوع ہوتا رہے کہ اے خمینی بت شکن:

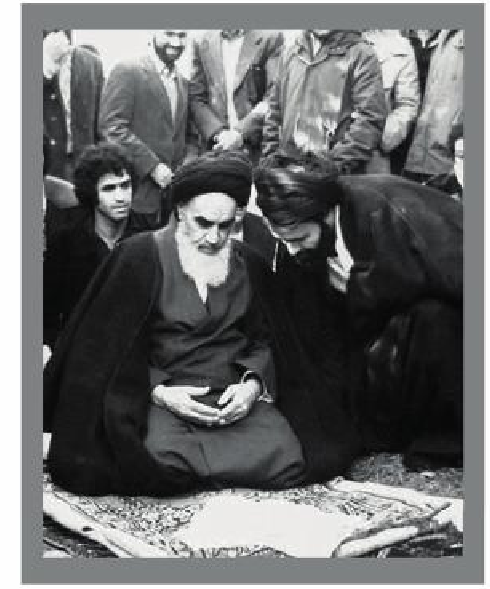
در رہ یاجوج ظلم و فتنہ دست غیرت
چوں سکندر ساخت ز آہن پارہ سد محکمی

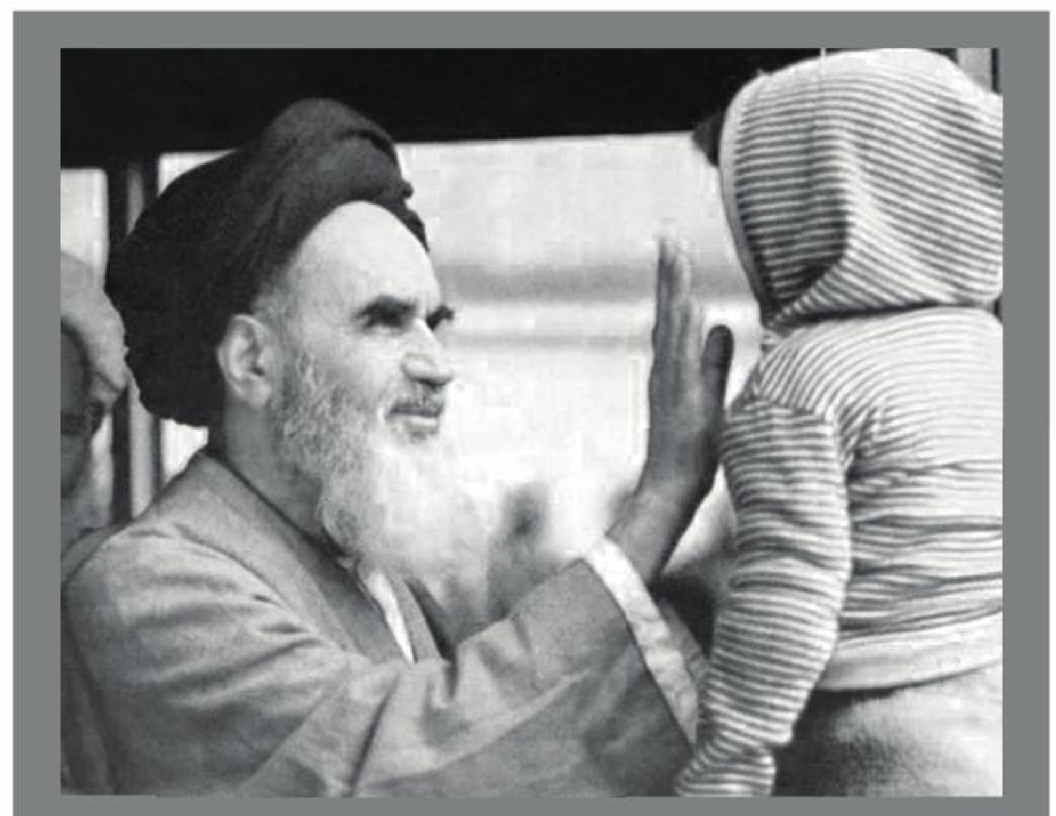
تیرے غیرت مند ہاتھوں نے ظلم و فتنہ کی راہ روکنے کے لیے ایک آہنی دیوار کھڑی کر دی جس طرح سکندر نے یاجوج ماجوج کے خلاف بنائی تھی۔ (خاوری)

انقلاب خواہ کتنا ہی پرانا کیوں نہ ہو جائے اس کی داستاں ہمیشہ تازہ رہتی ہے۔ امید اور عمل، بیداری اور خود شناسی، جنوں اور لہو کی داستاں بھی کہیں پرانی ہو سکتی ہے۔ زمانہ اس کو بار بار دہراتا ہے۔ فرق صرف نام، مقام اور وقت کا ہوتا ہے۔

از انقلاب زمانہ عجب مدار کہ چرخ
ازیں فسانہ و افسوں ہزار دارد یاد
(لوح ایام.. مختار مسعود)







آیت اللہ خمینیؒ ایک عہد ساز شخصیت

احمد رضا زیدی، کراچی

آیت اللہ خمینیؒ ایک عہد ساز شخصیت

آیت اللہ خمینیؒ کی قیادت میں ایران میں برپا ہونے والا انقلاب اسلامی صرف ایران تک محدود نہیں رہا بلکہ اس کے اثرات پوری دنیا پر مرتب ہوئے۔ یہ انقلاب مادی نہیں بلکہ اسلامی اصولوں پر مبنی تھا، جس کا مقصد انسانیت کی بقا، مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے خلاف جدوجہد تھا۔ امریکہ جیسی سپر پاور نے بھی اس انقلاب کے پھیلاؤ کو روکنے کے لیے اربوں ڈالر خرچ کیے اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کیں لیکن انقلاب اسلامی ایران ترقی کی جانب گامزن رہا جبکہ امریکہ تنزلی کا شکار ہوا۔ اس انقلاب کی کامیابی کا راز امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کا اللہ تعالیٰ پر کامل یقین، کربلا سے سبق حاصل کرنا اور عوام کی غیر متزلزل حمایت تھی۔ ان کے آہنی کردار کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ انہوں نے شاہ ایران کی آمریت کے سامنے بھی سر نہیں جھکایا۔ ان کی اصول پسندی کی ایک مثال فرانس میں دوران قیام کباب کھانے سے انکار کا واقعہ ہے، کیونکہ وہ مقامی قانون کے خلاف ذبح کیے گئے تھے۔ زیر نظر تحریر میں امام خمینی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر بات کی گئی ہے۔ (ادارہ)

آیت اللہ خمینی ان ہی لوگوں میں شمار ہوتے ہیں جن کے لیے کسی شاعر نے کہا:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ انیسویں صدی آیت اللہ خمینی کی صدی تھی، اس لیے کہ انھوں نے ایران میں ایک ایسا انقلاب برپا کیا کہ جس کے اثرات صرف ایران تک ہی محدود نہیں رہے بلکہ اس انقلاب کا اثر پوری دنیا پر پڑا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ انقلاب انقلاب روس یا انقلاب فرانس کی طرف صرف مادیت ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ یہ انقلاب اسلامی اصولوں کے تحت انسانیت کی بقا مظلوموں کی حمایت اور ظالموں کے خلاف تھا۔ اس لیے ہی انقلاب اسلامی ایران کے بعد امریکہ میں سیاہ فام نوجوانوں نے ایک احتجاج کے موقع پر جو شرٹس پہن رکھی تھیں ان پر آیت اللہ خمینی کے فوٹو تھے۔

امریکہ کے صدر ریگن نے روس کا دورہ کیا اور وہاں کے صدر سے ملاقات کی تو بی بی سی نے رپورٹنگ کرتے ہوئے کہا کہ ۱۵ سال کے بعد جب دنیا کی دو سپر طاقتوں کے سربراہوں نے ملاقات کی تو سات گھنٹے کی اس طویل ملاقات میں صرف ایک موضوع زیر بحث رہا اور وہ تھا انقلاب اسلامی ایران کے پھیلنے سے کیسے روکا جائے۔

امریکہ کا انقلاب اسلامی ایران کے خلاف تذبذب اور بے چینی کا اندازہ اس سے لگائیے کہ دنیا میں پہلی مرتبہ کسی ملک نے کسی ملک کے خلاف استعمال کرنے کے اپنے بجٹ میں پیسے رکھے۔ اس طرح ایران کے خلاف استعمال کرنے کے لیے اپنے بجٹ میں

اربوں ڈالر کی رقم رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ انقلاب اسلامی ایران کے خلاف جو کر رہا ہے وہ پوری دنیا کے سامنے ہے لیکن چونکہ انقلاب اسلامی ایران ایک اسلامی انقلاب ہے اس لیے انقلاب اسلامی ایران ترقی کی جانب گامزن ہے اور امریکہ اربوں ڈالر اور اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کرنے کے باوجود تنزلی کا شکار ہے۔

اب آیئے دیکھتے ہیں اس انقلاب کی کامیابی کا راز کیا ہے تاکہ دوسرے ممالک میں موجود مسلمان بھی اس فارمولے کو استعمال کر کے اپنے لیے کامیابی کی راہیں تلاش کر سکیں۔ اس سلسلے میں ہمیں آیت اللہ خمینی کے اس قول سے استفادہ کرنا ہوگا کہ جہاں آپ نے فرمایا کہ اگر ہمارے سامنے کربلا نہ ہوتی تو ہم اپنے انقلاب کو کامیاب نہیں کر سکتے تھے۔

آیت اللہ خمینی کی پر اثر شخصیت کا اثر دیکھیے کہ ایک مرتبہ مجھ سے ایک ملاقات میں ڈاکٹر اسرار احمد مرحوم نے کہا کہ اگر مجھے ایسے صرف ۲۰۰۰ نوجوان میسر آجائیں کہ جیسے لاکھوں کی تعداد میں آیت اللہ خمینی کو میسر ہیں تو میں پاکستان میں انقلاب لے آؤں گا۔ میں نے ان سے پوچھا کہ ان نوجوانوں کی خصوصیت کیا تھی تو انھوں نے کہا کہ یہ وہ نوجوان تھے کہ جب آیت اللہ خمینی نے ان سے کہا کہ فوج بے شک آپ پر گولی چلائے لیکن آپ کو گولی کے جواب میں پتھر یا گولی نہیں بلکہ ان پر پھول پھینکنے ہیں تو ان نوجوانوں نے ایسا ہی کیا۔

تو اب آیت اللہ خمینی کی دیگر خصوصیات کا تعلق ہے تو اس کے لیے بلا مبالغہ آپ کی شخصیت کے ہر پہلو پر لکھنے کے لیے ایک کتاب درکار ہے۔

آپ آیت اللہ خمینی کے آہنی کردار کا اس بات سے اندازہ لگایئے کہ جب یہ انقلاب برپا ہوا تو اس وقت دنیا کی سپر طاقت کہلانے والا امریکہ شاہ ایران کی پشت پناہی کر رہا تھا اور ایران میں آمریت کا یہ حال تھا کہ شاہ کے کسی حکم کی حکم خلاف ورزی کا انجام گردن زنی تھا۔ ایسے موقع پر آیت اللہ خمینی اللہ تعالیٰ پر یقین کامل کے ساتھ اس طرح اٹھے کہ جب شاہ ایران نے آیت اللہ خمینی کو قید کرا کر اپنے محل میں بلایا تو آپ کی کن پٹی پر پستول رکھ کر کہا کہ کہاں ہیں تمھارے حمایتی بلاؤ ان کو تاکہ تمھیں آکر بچائیں تو آیت اللہ خمینی نے کہا کہ میرے حمایتی یا تو ایران کی گلیوں میں کھیل رہے ہیں یا اپنی ماؤں کی گود میں دودھ پی رہے ہیں اور پھر ایسا ہی ہوا کہ دنیا نے دیکھا کہ اس واقعے کے ٹھیک سترہ سال بعد ایران کی سڑکیں اور گلیاں شاہ ایران کے خلاف مظاہرے کرنے والے نوجوان سے بھری ہوئی تھیں۔

آیت اللہ خمینی کی کامیابی کا ایک عنصر ان کی اصول پسندی تھی۔ اسی لیے فرانس کے اس گاؤں میں جہاں آپ قیام پذیر تھے یہ واقعہ میڈیا کی زینت بنا کہ ایک مرتبہ کھانے کے وقت آپ کو کباب پیش کیے گئے اور بتایا گیا کہ یہ جانور ہم نے اپنے کمرے میں ذبح کیا ہے تو آیت اللہ خمینی نے یہ کہ کر وہ کباب کھانے سے انکار کر دیا کہ جب یہاں کے قانون کے تحت اس طرح جانور ذبح

کرنا جائز نہیں تو یہ کباب کھانا حرام ہیں۔

اسی ہی طرح جب آپ فرانس سے ایران تشریف لائے تو آپ کا وہ فوٹو جس میں آپ جہاز کے کیپٹن کے ہمراہ جہاز سے اتر رہے ہیں دنیا بھر میں آپ کی سنجیدگی اور جلالت کے حوالے سے بہت مشہور ہوا کہ ایسے موقع پر جب قائدین اپنے دونوں ہاتھ لہراتے ہوئے اور ہنستے ہوئے آتے ہیں آیت اللہ خمینی نے اپنا صرف ایک ہاتھ تشکر کے طور پر بلند کیا اور ان کے چہرے پر مسکراہٹ تک نہیں تھی۔

آپ ایرانی قوم کا آیت اللہ خمینی سے محبت کا عالم دیکھیے کہ ایران عراق جنگ کے دوران ایک ماں نے آپ سے کہا کہ آغا میرا ایک بیٹا انقلاب کے دفاع کے لیے شہید ہو گیا آیت اللہ خمینی نے تحسین آمیز الفاظ ادا کیے اس طرح اس نے اپنے تین بیٹوں کے بارے میں بتایا اور آیت اللہ خمینی ہر مرتبہ تحسین آمیز الفاظ ادا کرتے رہے لیکن جب اس نے کہا کہ آغا میرا آخری چوتھا بیٹا بھی انقلاب کی راہ میں شہید ہو گیا تو اب وہ آیت اللہ خمینی جو کبھی جذباتی نہیں ہوتے تھے بلند آواز سے رونے لگے۔ جب اس نے آیت اللہ خمینی کو اس طرح روتے دیکھا تو کہا آغا آپ نہ روئیں میں نے اپنے چاروں بیٹے اس لیے قربان کیے کہ میں آپ کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھنا چاہتی۔

یہ آیت اللہ خمینی کے اخلاص اور ذات الٰہی پر کامل یقین کا اثر تھا کہ پوری ایرانی قوم آپ پر جان قربان کرنے کے لیے تیار تھی۔ اسی لیے ایران عراق جنگ کے موقع پر ایرانی قوم کے جذبہ شہادت کو دیکھتے ہوئے بھی گریہ کیا تھا اور کہا تھا یا اباعبداللہ حسینؑ جب یہ لوگ مجھ حقیر کے کہنے پر جانیں نثار کر رہے ہیں تو آقاؑ اگر یہ کربلا میں ہوتے تو یقیناً آپ پر اپنی جانیں نثار کر دیتے۔

آپ آیت اللہ خمینی کی بصیرت دیکھیے کہ جب دشمنان اسلام نے پارلیمنٹ ہاؤس میں دھماکہ کیا اور ایران کی تقریباً تمام قیادت شہید ہو گئی تو یہ ایسا عالم تھا کہ سوائے افسردگی اور مایوسی کے اور کچھ نہ تھا کہ ایسے میں آیت اللہ خمینی ریڈیو اور ٹی وی پر آئے اور اپنی قوم سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا کہ آپ مایوس نہ ہوں شہادتیں ہماری کامیابیوں کا راستہ ہموار کرتی ہیں۔ ہمارے ان ستر (۷۰) شہداء کا خون امام حسینؑ کے خون سے افضل نہیں ہے اگر امام حسینؑ کی قربانی کے بعد اسلام سر بلند ہوا تو ہمارے شہداء کی شہادتوں کے بعد بھی انقلاب سر بلند ہو گا۔ آپ کا یہ بیان نشر ہونا تھا کہ پوری قوم دوبارہ تازہ دم ہو کر مایوسی اور ناامیدی سے باہر نکل آئی۔

آیت اللہ خمینی صرف انقلاب ہی نہیں لائے بلکہ انقلاب کی کامیابی کے لیے بھی اصول وضوابط بتائے۔ اب اگر ہمیں کسی کو دیکھنا ہے کہ وہ انقلاب سے کتنا مخلص ہے تو ہمیں ان اصولوں کی روشنی میں اس کا جائزہ لینا ہو گا۔ مثلاً آیت اللہ خمینی نے سرکاری ملازمین اور عہدیداروں کے لیے کہا کہ وہ خود کو ہمیشہ عوام کا خادم سمجھیں اب اگر کوئی شخص اس حکم کی روگردانی کرتا نظر آتا ہے

توسمجھ لیں وہ انقلاب کے خلاف کام کر رہا ہے۔

میں اپنی تحریر کو علمائے کرام کی توجہ مبذول کراتے ہوئے آیت اللہ خمینی کے اس قول پر ختم کروں گا کہ آیت اللہ خمینی نے کہا کہ اگر انقلاب کو کبھی خطرہ ہوا تو وہ علماء کی جانب سے ہوگا۔ میری دعا ہے کہ پروردگار عالم ہمیں اور ہمارے علماء کرام کو حقیقی معنوں میں انقلاب اسلامی کی پاسداری کی توفیق عطا فرمائے کیونکہ انقلاب اسلامی ایران صرف ایرانی قوم کے لیے نہیں بلکہ تمام عالم اسلام کے لیے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ آیت اللہ خمینی کے درجات کو بلند فرمائے۔

حُرمت حجاب کے خلاف سازش

اور امام خمینیؒ کی بصیرت

توقیر کھرل

حرمت حجاب کے خلاف سازش اور امام خمینی کی بصیرت

ایران میں آج خواتین کے حجاب اور علماء کے روایتی لباس میں دکھائی دینے کی وجہ لازوال قربانیاں ہیں، خاص طور پر ۱۹۳۶ میں رضا شاہ پہلوی کی جبری "کشف حجاب" پالیسی کے خلاف عوامی مزاحمت۔ اس پالیسی کا مقصد ایران کو غیر مذہبی بنانا اور اسلامی اقدار کو ختم کرنا تھا۔ ملکہ تاج الملوک کا بغیر حجاب کے روضہ حضرت معصومہؑ کا دورہ اس پالیسی کے خلاف عوامی غم وغصے کا ایک اہم محرک بنا، جس نے علماء کو شاہ کے خلاف منظّم کرنے میں مدد دی اور بالآخر ۱۹۷۹ کے اسلامی انقلاب کی بنیاد بنی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس پالیسی کو اسلامی تعلیمات کی خلاف ورزی اور مغربی ثقافت کی اندھی تقلید قرار دیا۔ ان کے نزدیک حجاب خواتین کی آزادی اور عزت کا تحفظ ہے، جبکہ بے حجابی انہیں محض ایک "آبجیکٹ" بناتی ہے انھوں نے اپنے خطبات میں عوام کو شاہ کی سیکولر پالیسیوں کے خلاف منظّم کیا اور مسجد گوہر شاد کے شہداء کی یاد میں مجالس منعقد کرنے کا اعلان کیا۔ ۱۹۷۹ کے انقلاب کے بعد امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے حجاب کو خواتین کے لیے لازمی قرار دیا اور "گشت ارشاد" جیسے اداروں کے ذریعے اس کے نفاذ کو یقینی بنایا، جس سے اسلامی اقدار کی بحالی ممکن ہوئی۔ علماء کی مزاحمت اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت نے ثقافتی، مذہبی اور سیاسی شعور کو بیدار کر کے انقلاب کی کامیابی کو یقینی بنایا۔

اگر آپ ایران جائیں تو قم المقدس سمیت تمام شہروں میں خواتین حجاب میں ملبوس دکھائی دیتی ہیں جبکہ علمائے کرام اور حوزہ علمیہ قم کے طلاب "لباسِ علماء میں دکھائی دیتی ہیں۔ ہر سو حجاب اور عبا قبا کی بہار ہوتی ہے۔ خواتین اور علمائے کرام کا یہ تشخص انقلاب اسلامی سے قبل بھی تھا جس کے خلاف سرکاری سطح پر مخالفت کی گئی۔ ایرانی خواتین اور علماء نے اس جبری تحریک کے خلاف ڈٹ کر قیام کیا اسی باعث آج آپ کو ایران میں خواتین حجاب اور علمائے کرام عبا قبا میں دکھائی دیتے ہیں۔ حجاب کی یہ بہار لازوال قربانیوں کا نتیجہ ہے جس میں بانی انقلاب امام راحل روح اللہ موسوی خمینی اور شیخ عبد الکریم حائری سمیت انکے اساتذہ کرام کی خصوصی کاوشیں ہیں۔ حوزہ علمیہ قم المقدس کی تاسیس کو بھی ۱۰۰ سال مکمل ہو چکے ہیں۔ قیام کے بعد پہلی تحریک حجاب کا تحفظ تھا جس کے ثمرات ایک سو سال بعد بھی محفوظ ہیں۔

ترکی اور افغانستان سے متاثر ایرانی آمر حکمران نے حجاب کو ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتے ہوئے ایران میں بھی بے حجابی کو عام کرنے کے لیے ایک جبری قانون کا سہارا لیا۔ ایران کے آمر حکمران رضا شاہ پہلوی نے ۱۹۳۶ء میں کشف حجاب پالیسی نافذ کی، جس کے تحت خواتین حجاب کا پہننا لازمی نہیں تھا اور انھیں مغربی لباس اپنانے کی ترغیب دی گئی۔ اس پالیسی کا مقصد ایران کو جدید، غیر مذہبی اور سیکولر بنانا تھا در اصل یہ اسلامی اقدار پر حملہ تھا۔ جب جبری طور پہ اس قانون کا آغاز ہوا تو عوام بالخصوص ایرانی خواتین کی جانب سے مزاحمت بھی ہوئی۔ بہت سی خواتین اور ان کے خاندانوں نے "کشف حجاب" (حجاب اتارنے) کو قبول کرنے سے انکار کیا۔ خواتین نے گھروں سے باہر نکلنا ہی کم کر دیا تا کہ حجاب نہ اتارنا پڑے۔ خواتین نے اسے اپنی آزادی نہیں بلکہ اپنے وقار پر حملہ قرار دیا۔ رضا شاہ کی اہلیہ، ملکہ تاج الملوک، اس پالیسی کی حامی تھیں اور وہ خود اکثر بغیر حجاب کے عوامی مقامات پر نظر آتی تھیں۔

۱۹۳۵ میں شاہ کی بیوی ملکہ تاج الملوک نے قم میں حضرت معصومہ (ع) کے روضے کا دورہ کیا لیکن روضے کے احترام کے باوجود حجاب نہیں پہنا۔اس عمل سے علمائے کرام اور زائرین میں شدید غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی، اس عمل کو نہ صرف روضے کی توہین بلکہ اسلامی اقدار کی خلاف ورزی قرار دیا۔اس واقعے نے جبری قانون کشف حجاب کے خلاف عوامی تحریک کو تقویت دی اور علما کو شاہ کے خلاف منظم کرنے میں مدد دی اور یہی تحریک ہی ۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کی بنیاد بنی، جب امام خمینیؒ کی قیادت میں شاہ کا تختہ الٹ دیا گیا۔اگرچہ کشف حجاب تحریک بنیادی طور پر خواتین کے حجاب کے خلاف تھی، لیکن علمائے کرام کے لیے عمامہ اور دیگر روایتی سرپوش کے خلاف پالیسی اسی جدیدیت پسند ایجنڈے کا حصہ تھی۔ علما نے عمامہ پر پابندی کو اپنی مذہبی شناخت پر حملہ قرار دیا۔ قم اور مشہد میں علما نے اس پالیسی کی کھل کر مخالفت کی۔ مشہد اور قم میں کشف حجاب کے خلاف عوامی مظاہرے ہوئے۔۱۹۳۵ء میں مشہد کے گوہر شاد مسجد واقعے میں ہزاروں افراد نے جمع ہو کر رضا شاہ کی پالیسیوں کے خلاف احتجاج کیا۔ اس احتجاج کو سختی سے کچلنے کی کوشش کی گئی، ۱۵۰۰ افراد شہید ہوئے۔ عوام اور علماء کی بڑی تعداد کو گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔رہبر معظم سید علی خامنہ ای سانحہ گوہر شاد کے بارے فرماتے ہیں کہ مومنین کی ایک بڑی تعداد امقدس جگہ پر جمع ہوئی۔ حکومتی کارندوں نے ان پر حملہ کر دیا اور انھیں قتل کر ڈالا۔ راہداری میں بہت سے لوگوں کو مار ڈالا، کچھ لوگوں نے بتایا کہ ہم لوگ گھروں کی چھت سے دیکھ رہے تھے کہ لوگوں کو قتل کر رہے ہیں، نیم مردہ حالت میں لوگوں کو ٹرکوں پر لاد کر لے جا رہے ہیں اور علم دشت نام کے علاقے میں اسی حالت میں دفن کر رہے ہیں۔امام خمینیؒ نے اسے شعار اسلامی کی توہین قرار دیا تھا۔امام ایک نوجوان رہنما کے طور پر نمایاں ہو رہے تھے۔ حجاب کو اسلامی شریعت کا لازمی حصہ سمجھتے تھے۔انکے نزدیک، رضا شاہ کی کشف حجاب پالیسی اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی تھی اور اس کا مقصد ایرانی معاشرے کو سیکولر بنانا تھا۔امام خمینیؒ نے کشف حجاب کو مغربی ثقافت کی اندھی تقلید اور استعماری ایجنڈے کا حصہ قرار دیا۔ان کا ماننا تھا کہ یہ پالیسی ایرانی عوام کی مذہبی اور ثقافتی شناخت کو کمزور کرنے کی کوشش تھی۔

۱۹۶۰ء کی دہائی میں امام خمینیؒ نے شاہ کی سیکولر پالیسیوں، بشمول کشف حجاب کے اثرات کے خلاف آواز اٹھائی۔انھوں نے اپنے خطبات اور تحریروں میں شاہ کے اقدامات کو غیر اسلامی قرار دیا۔امام خمینیؒ کے مطابق حجاب خواتین کی آزادی اور عزت کو تحفظ دیتا ہے، نہ کہ انھیں دباتا ہے۔ کشف حجاب جیسی پالیسیاں خواتین کو مغربی معاشرے کی طرح محض ایک (object) بناتی ہیں جبکہ اسلام خواتین کو عزت اور وقار دیتا ہے۔اپنے خطبات، خاص طور پر قم اور نجف (جہاں وہ جلاوطن تھے) سے، عوام کو شاہ کی سیکولر پالیسیوں کے خلاف منظم کرنے کی کوشش کی۔انھوں نے کشف حجاب کو ایک ایسی پالیسی کے طور پر پیش کیا جو خواتین کی عزت اور معاشرتی اقدار کے خلاف تھی۔

محمد رضا پہلوی کی حکومت قائم ہونے کے بعد بے حجابی نے شدت اختیار کی اور سینما اور ٹیلی ویژن پر اعلانیہ طور پر اس کا اظہار ہونے لگا، جو بے حجابی کے رواج میں اضافے کا سبب بنا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے بے حجابی اور اس کی وجوہات کے بارے میں آواز بلند کی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے قم میں ایک تقریر کی، جس میں انھوں نے ارشاد فرمایا ٹیلی ویژن پہ اشتہار چلانے والا ایک خاص گروہ ہے جسے کوئی بھی پسند نہیں کرتا اور لگتا ایسا ہے کہ اسے پورے ملک میں پھیلانے کا ارادہ ہے۔ ان کا ارادہ یہ ہے کہ ۸ جنوری کو گذشتہ اور موجودہ خواتین کی نمائش ہو اور اسی دن ان کی خواتین صوبائی انجمنوں کے لائحہ عمل کے اجراء نہ ہونے کی صورت میں احتجاج کریں۔ ابھی سے تہران اور دوسرے شہروں کے لوگوں کے ایک گروہ نے ہم سے رابطہ کیا ہے کہ اگر ایسا کچھ ہوا تو ہم اسی دن ردّ عمل کے طور پر مسجد گوہر شاد کے شہداء کی یاد میں مجلس منعقد کریں گے۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے شہدائے مسجد گوہر شاد کے چہلم کے موقع پر فرمایا ہمارے عزیزوں پر تشدد ہوا اور انھیں اس دنیا سے گئے ہوئے چالیس دن گزر گئے۔ مدرسہ فیضیہ کے شہداء کے لواحقین کو اپنے عزیزوں پر روتے ہوئے چالیس دن ہو گئے۔ کل شہید سید یونس رودباری کے والد کمر جھکائے میرے پاس آئے، جن کے چہرے پر شکستگی کے آثار ظاہر تھے۔ ان مرنے والے جوانوں کی ماؤں اور غمزدہ باپوں سے کن الفاظ کے ساتھ تعزیت کی جائے؟

۱۹۷۹ء کے اسلامی انقلاب کے بعد، امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے حجاب کو خواتین کے لیے لازمی قرار دینے کی پالیسی متعارف کروائی۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے دور میں ''گشتِ ارشاد'' (اخلاقی پولیس) جیسے اداروں کے ذریعے حجاب کے نفاذ کو یقینی بنایا گیا تاکہ اسلامی اقدار کی بحالی کو یقینی بنایا جائے۔ ایران میں کشف حجاب تحریک کے خلاف علمائے کرام کی مزاحمت نے یقیناً انقلاب اسلامی کی بنیاد کو مضبوط کیا اور عوام کو منظم کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے بابصیرت بیانات اور قیادت نے اس مزاحمتی جذبے کو ایک منظم سیاسی تحریک کی شکل دی۔ علمائے کرام کی مزاحمت اور امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت نے ثقافتی، مذہبی، اور سیاسی شعور کو جگا کر انقلاب کی کامیابی کو یقینی بنایا۔ حجاب کے تقدس کی بحالی اور اسلامی شعار کے تحفظ کی یہ تحریک ہی ایران میں انقلاب اسلامی کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

ماخذ

* حکایت کشف حجاب، موسسہ فرہنگی ہنری قدر ولایت، پانچواں ایڈیشن، ۲۰۱۱ء، ص۹۔

*صلاح، مہدی، کشف حجاب، اقدامات، ردّ عمل و نتائج، تاریخی مطالعات اور تحقیق کا ادارہ، ۲۰۱۰ء، ص۶۸۱۔

* پہلوی، محمد رضا، پاسخ بہ تاریخ، ص۰۳۔

* صحیفہ امام خمینیؒ (رہ)، جلد اول/http://www.imam-khomeini.ir

کتابیات

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے آثار اور تصانیف

امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے حدیث، فقہ، عرفان، اصول، اخلاق اور کلام سے متعلق مباحث میں بہت سے گراں بہا آثار چھوڑے ہیں۔ اسی طرح فلسفہ، فقہ اور اصول کی برسوں تدریس کے دوران آپ کے شاگردوں نے آپ کے دروس تحریر کیے ہیں۔ آپ نے مختلف موضوعات پر کتابچے بھی تالیف کیے خصوصاً اخلاق، عرفان اور فقہی موضوعات پر۔ آپ نے اہم اسلامی کتابوں کی تدریس کے ساتھ ساتھ ان پر حواشی بھی قلمبند کیے لیکن افسوس کہ ان میں سے بہت سے آثار وتالیفات بار بار کرائے کے مکان تبدیل کرنے کی وجہ سے اور آپ کے گھر اور لائبریری پر ساواک کے کارندوں کے کئی بار حملہ کے دوران مفقود ہو گئی ہیں، اس کے باوجود ان میں سے بہت سی باقی ہیں۔

دوسری طرف اسلامی انقلاب کے بعد آپ سے ملک کے عوام اور حکام کی ملاقاتیں ہوئیں۔ ان مواقع پر آپ نے تقریریں کیں یا ان کو مخاطب کر کے خطوط وپیغامات تحریر فرمائے۔ یہ آثار قلمبند کر لیے گئے اور ایک بڑے مجموعہ کی صورت میں شائع کیے گئے ہیں۔ آپ نے بعض کتابیں مکمل طور پر ماہرانہ قلم اور نظر کے ساتھ خاص افراد کو مخاطب قرار دے کر لکھی ہیں جن کو سمجھنا اہل فن اساتذہ کی تشریح وتوضیح سے استفادہ کے بغیر ممکن نہیں ہے اور بعض تالیفات عام طلاب حتی عام لوگوں کو مخاطب قرار دے کر آسان زبان میں تحریر کی ہیں۔

یہاں پر امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے آثار وتالیفات کے ناموں کی فہرست اجمالی طور پر حروف تہجی کی ترتیب کے ساتھ بیان کی جارہی ہے، البتہ ان آثار وتالیفات میں سے ہر ایک کے تفصیلی تعارف کے لیے مبسوط اور جداگانہ تحقیق کی ضرورت ہے جو کہ اس کتاب کے اہداف ومقاصد سے خارج ہے۔

۱۔ آداب الصلاۃ یا آداب نماز:

اس کتاب کی تالیف کے اختتام کی تاریخ ۲ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ ہے۔ یہ کتاب، کتاب ''سرّ الصلاۃ'' کے بعد فارسی زبان میں تالیف کی گئی اور نماز کے قلبی آداب اور معنوی اسرار کے مفصل بیان کے سلسلے میں، کتاب ''سرّ الصلاۃ'' سے زیادہ آسان زبان میں ہے اور جیسا کہ آپ نے مقدمہ میں ذکر کیا ہے، چونکہ کتاب ''سرّ الصلاۃ'' عام لوگوں کے حال سے مطابقت نہیں رکھتی تھی لہٰذا اس کتاب میں نماز کے قلبی آداب اور اس کی روحانی معراج کی تشریح تحریر فرمائی ہے۔ (یہ کتاب اردو میں ترجمہ ہو چکی ہے)

۲۔ اربعین حدیث یا شرح چهل حدیث:

اس کتاب کی تالیف چالیس حدیثیں یاد کرنے کے اہتمام کی روایت کی بنیاد پر ہے جس کا ذکر احادیث میں ہوا ہے اور اسی وجہ سے اس طرح کی بہت سی کتابیں علمائے دین نے تحریر کی ہیں۔ آپ نے اسلامی علوم کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مدرسہ فیضیہ میں تدریس اور اخلاقی واعتقادی احادیث کی توضیح وتشریح بھی کی اور پھر ان کو شرح چہل حدیث کے نام سے (۱۳۵۸ھ) کتابی صورت میں تحریر فرمایا۔

> بحث کا موضوع، اخلاق اور عرفانی مضامین ہیں۔ آپ دوسرے علوم سے بھی غافل نہیں رہے اور آپ نے احادیث کی تشریح میں اپنے مقصود کی توضیح کے لیے دوسرے علوم جیسے لغت، تفسیر، فلسفہ، کلام اور فقہ سے بھی مدد لی ہے۔

اس کتاب میں آپ کی روش حدیث کو انتخاب کر کے نقل کرنا ہے۔ آپ عربی زبان میں حدیث نقل کرنے کے بعد اس کا تحت اللفظی ترجمہ کرتے ہیں اور بعض مشکل الفاظ اور لسانی قواعد کے نکات کی توضیح کے بعد مختلف اقوال کو بعض جگہ نقل کرتے ہیں اور پھر حدیث کی مفصل توضیح فرماتے ہیں۔ (اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے)

۳۔ الإجتهاد والتقليد:

یہ کتاب ۱۳۷۰ھ میں اصول کے دروس کے اختتام کے بعد تالیف کی اور اس میں اصول چہارگانہ اختیارات، شروط اجتہاد، قضا اور مرجعیت پر بحث کی ہے۔ یہ پہلے مجموعہ الرسائل میں ۱۳۸۵ھ میں شائع ہوئی اور پھر موسم گرما ۱۳۷۶ ھشمسی میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے جداگانہ کتاب کی صورت میں اسے شائع کیا۔

۴۔ استصحاب:

یہ کتاب ان اصولی مباحث میں سے ایک ہے جن کو امام خمینیؒ نے ۱۳۷۰ھ میں شہر محلات میں موسم گرما کی تعطیلات کے دوران عربی زبان میں تالیف کیا۔ یہ کتاب پہلے آپ کے مجموعہ الرسائل میں ۱۳۸۵ھ میں طبع ہوئی تھی۔ پھر ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے ۱۴۱۷ھ میں اسے دوبارہ تحقیق و تصحیح کر کے فنی فہرستوں کے ہمراہ طبع کیا۔

۵۔ استفتاءات:

یہ کتاب ان فقہی سوالات کا مجموعہ ہے جو کہ انقلاب کے بعد عام ہوئے اور ان پر توجہ دی گئی اور آپ نے ان کا جواب دیا۔ یہ سوالات عام طور سے وہ مسائل ہیں جو کہ آپ کی کتاب توضیح المسائل میں موجود نہیں ہیں یا ان کے بارے میں کوئی خاص توضیح نہیں ہے۔ جو بات اس کتاب میں قابل توجہ ہے وہ جدید احکام ہیں جو رسالہ احکام اور ابواب فقہ کی ترتیب کے لحاظ سے دو جلدوں میں مرتب ومنظم کر کے سوال وجواب کی صورت میں ذکر کیے گئے ہیں۔ اس بات کا جاننا بھی ضروری ہے کہ ان سوالات وجوابات سے اس زمانے کی اجتماعی ومذہبی تاریخ اور لوگوں کے دینی رجحانات کی نشاندہی ہوتی ہے۔

۶۔ انوار الھدایة فی التعلیقة علی الکفایة:

یہ کتاب عربی زبان میں علم اصول فقہ کے موضوع پر ہے۔ حضرت امام خمینیؒ نے اس کتاب کو ۱۳۶۸ھ میں آخوند خراسانی کی کتاب ''کفایۃ الاصول'' پر حاشیہ کی صورت میں دو جلدوں میں تالیف کیا۔ یہ کتاب دوسرے ہم عصر اصولیین کی آراء کے ذکر کے ساتھ آپ کے اصولی نظریات کو بیان کرتی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۷۲ھ شمسی میں پہلی بار دو جلدوں میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ کی طرف سے شائع ہوئی۔

۷۔ بدائع الدّرر فی قاعدة نفی الضّرر:

یہ کتاب عربی زبان ہے اور اس میں قاعدہ ''لا ضرر'' کی بحث ہے جو کہ ایک اہم فقہی قاعدہ شمار کیا جاتا ہے۔ آپ نے اس بحث کی تدریس وتقریر کے علاوہ اس کو تحریر بھی کیا ہے۔ اس کتاب کی تالیف کی تاریخ ۱۳۶۸ھ ہے۔ یہ کتاب آپ کی بہت سی دوسری اصولی کتابوں کے ہمراہ ایک مجموعہ میں ''الرسائل'' کے نام سے ۱۳۸۵ھ میں قم میں شائع ہوئی اور ۱۳۷۲ھ شمسی میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے اسے حاشیوں اور فہرستوں کے ہمراہ ایک جداگانہ کتاب کی

صورت میں مذکورہ بالا نام سے شائع کیا ہے۔

۸۔ تحریرالوسیلہ:

یہ کتاب عربی زبان میں امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ کے فتوؤں پر مشتمل دو جلدوں میں ہے۔آپ نے اسے ترکی میں جلا وطنی کے دوران (۱۳۴۲تا۱۳۴۴ھ شمسی) تحریر کیا۔یہ کتاب رسالہ ''نجاۃ العباد''اور سید ابوالحسن اصفہانی کی کتاب ''وسیلۃ النجاۃ'' پر حاشیہ کے بعد اسی طرز پر لکھی ہے، اس فرق کے ساتھ کہ بہت سے جدید مسائل خصوصاً جہاد، ظالموں سے مقابلہ اور نئے احکام کو اس میں بیان کیا گیا ہے۔(اردو زبان میں ترجمہ ہو چکی ہے)

۹۔ التعلیقۃ علیٰ الفوائد الرضویۃ:

یہ کتاب حضرت امام علی بن موسی الرضا (ع)۔سے راس الجالوت کی حدیث کی تشریح سے متعلق حکیم عارف قاضی سعید قمی (م ۱۱۰۷ھ شمسی) کی عرفانی واعتقادی کتاب پر ایک حاشیہ ہے۔بہت سے علما نے اس حدیث کی شرحیں لکھی ہیں۔ان شرحوں میں سے ایک بہترین شرح قاضی سعید کی کتاب ہے جس کو امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے پسند کیا ہے اور مولف کے مطالب کی وضاحت کی ہے یا بہت سی جگہوں پر اس پر حاشیہ لگایا ہے۔یہ کتاب پہلی مرتبہ ۱۳۷۵ھ شمسی میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے تحقیق و تصحیح اور حواشی وفہارس کے ساتھ شائع کی۔

۱۰۔ حاشیہ بر فصوص الحکم:

کتاب فصوص الحکم عالم اسلام کی عظیم عرفانی شخصیت محی الدین ابن عربی کی تصنیف ہے جس پر اب تک بہت سی شرحیں لکھی جا چکی ہیں، ان میں شرح قیصری بہترین شرح تصور کی جاتی ہے۔امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) میں شرح فصوص الحکم پر عربی زبان میں اپنا حاشیہ مکمل کیا. یہ کتاب شیخ اکبر محی الدین ابن عربی، قونوی، ملا عبدالرزاق کاشانی، فرغانی، اور عراقی، جیسی عظیم شخصیات کے نظریات پر امام کے تسلط کی نشاندہی کرتی ہے۔

۱۱۔ حاشیہ بر مصباح الانس:

کتاب ''مصباح الانس بین المعقول والمشہود'' محی الدین عربی کے نامور شاگرد ابو المعال محمد ابن اسحٰق قونوی کی کتاب مفتاح الغیب پر محمد بن حمزہ بن محمد فناری کی شرح ہے جو نظریاتی عرفان وسلوک پر لکھی گئی ہے۔امام خمینی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۳۵۵ کو (۱۹۳۶ء)

میں مذکورہ کتاب کے ایک تہائی حصے پر اپنی آراء اور علمی تنقید لکھی، شرح فصوص الحکم اور مصباح الانس پر لکھے گئے امام کے دو حاشیے، جو ۳۲۹ صفحات پر مشتمل ہیں، تعلیقات علی شرح فصوص الحکم و مصباح الانس کے نام سے ۱۳۶۵ شمسی (۱۹۸۶ء) میں ادارہ پاسداراسلام، قم کی طرف سے شائع ہوگئے ہیں۔

۱۲۔ تعلیقة علی العروة الوثقیٰ:

یہ کتاب سید محمد کاظم طباطبائی یزدی (م ۱۳۳۷ھ) کی کتاب ''العروۃ الوثقیٰ'' پر حاشیہ ہے یہ کتاب ۱۳۷۵ھ میں لکھی گئی اور فقہ کے مختلف ابواب میں امام خمینیؒ کے فقہی فتووں پر مشتمل ہے۔

یہ کتاب جداگانہ طور پر بھی اور کتاب العروۃ الوثقیٰ کے حاشیہ میں بھی شائع ہوئی ہے۔ کتاب ''العروۃ الوثقیٰ'' حوزہ ہائے علمیہ میں رائج اور بہت سی فروعات کی حامل کتابوں میں سے ہے۔ اسی وجہ سے اس پر توجہ دی گئی ہے اور بزرگ علماء نے اس پر حاشیے لگائے ہیں۔

۱۳۔ تعلیقة علی وسیلة النجاة:

یہ کتاب بزرگ عالم سید ابوالحسن اصفہانی کی اس فقہی اور فتاوی کی کتاب پر امام خمینیؒ کا حاشیہ ہے جو کہ ''العروۃ الوثقیٰ'' کے مانند حوزہ ہائے علمیہ میں رائج رہی ہے۔ اگرچہ ''العروۃ الوثقیٰ'' کے مانند نہیں ہے لیکن اہم خصوصیات کی حامل ہے جن کے پیش نظر امام خمینیؒ نے اس کتاب پر بھی حاشیہ لگایا۔

۱۴۔ تفسیر سورہ حمد:

یہ کتاب سورہ فاتحۃ الکتاب کی عرفانی تفسیر ہے جو کہ تین حصوں میں ہے اور مختلف تاریخوں میں انجام پائی ہے۔ اس کا پہلا حصہ، کتاب سرّ الصلاۃ میں نماز کے قلبی آداب اور معنوی اسرار کے بیان کی مناسبت سے تفسیر پر مشتمل ہے۔ اس تفسیر کی روش، فلسفی، عرفانی اور اخلاقی ہے اور عبدالرزاق کاشانی کی ''تاویلات القرآن'' کے مانند ہے۔ یہ حصہ ۱۳۵۸ھ لکھا گیا۔ دوسرا حصہ وہ تفسیر ہے جس کو سورہ حمد کی تفسیر کی ایک دوسری تفصیل وتوضیح سمجھا جاسکتا ہے، جسے آپ نے ۱۳۶۱ھ میں کتاب آداب الصلاۃ میں قرائت کی بحث کی مناسبت سے لکھا ہے اور آسان تر زبان میں بیان کیا ہے۔ تیسرا حصہ، تفسیر پر مبنی آپ کے پانچ دروس کا مجموعہ ہے۔ یہ درس آپ نے ۱۳۵۸ شمسی (۱۹۷۹ء) میں دیئے اور ان کو اسلامی جمہوریہ ایران کے ٹیلی ویژن سے نشر کیا گیا۔ لیکن عرفان کے بعض مخالفین کے اعتراض کرنے سے اس کا سلسلہ پھر جاری نہ رہا اور اسی کو کیسٹ سننے کے بعد تحریر کیا گیا اور

پھر کتاب کا ضمیمہ قرار دے دیا گیا۔

البتہ وہ دوسرے پراگندہ مطالب جو آپ کے دوسرے آثار میں بسم اللہ اور سورہ حمد کے دوسرے فقروں کی تفسیر کی مناسبت سے پائے جاتے تھے، ان سب کو اس کتاب میں جمع کر دیا گیا اور وہ خود اس سورہ کی تفسیر میں ایک قابل توجہ مجموعہ ہے۔ یہ کتاب ۱۳۷۵ شمسی (۱۹۹۶ء) میں ادارہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ نے جمع اور مرتب کر کے شائع کی۔ (اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے)

۱۵۔ تقریرات دروس امام خمینیؒ:

اس نام سے امام خمینیؒ کے اصولی مباحث سے متعلق بہت سی کتابیں آپ کے شاگردوں کے توسط سے تحریر اور شائع کی گئی ہیں۔ ان میں سے شیخ حسین تقوی اشتہاردی کی "تنقیح الاصول"؛ شیخ جعفر سبحانی کی "تہذیب الاصول"؛ محمد فاضل لنکرانی کی "معتمد الاصول" اور فقہ میں محمد حسین قدیری کی "البیع" اور اسی طرح بہت سی دوسری کتابوں کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ سب آپ کی تدریس کے دوران شاگردوں کی قلم فرسائی کا نتیجہ ہیں۔

البتہ یہیں پر اس بات کی طرف اشارہ کرنا مناسب ہے کہ آپ کے بعض شاگردوں نے آپ کی بعض کتابوں جیسے تحریر الوسیلہ کی شرح کی ہے اور حوالے بیان کئے ہیں۔ مثلاً "مباني تحرير الوسيله" از محمد مومن قمی؛ "مدارك تحرير الوسيله" از مرتضیٰ بنی فضل؛ "التعليقة الاستدلالية علىٰ تحرير الوسيله" از ابو طالب تجلیل تبریزی اور بعض دوسری کتابیں جو ابھی طبع نہیں ہوئی ہیں۔

۱۶۔ فلسفہ امام خمینیؒ:

امام خمینیؒ کے آثار کے تعارف میں زیادہ تر توجہ آپ کے قلمی آثار پر دی گئی ہے، لیکن چونکہ شرح منظومہ اور اسفار اربعہ کے متعلق آپ کی کوئی الگ کتاب نہیں ہے اور یہ تقریرات اپنی آپ مثال ہیں، اس لیے انھیں امام خمینیؒ کے آثار کا جزء قرار دیا گیا اور تفسیری آیات کے انتخاب میں ان پر توجہ دی گئی ہے۔

یہ کتاب آپ کے فلسفہ کے دورہ تدریس کی آخری تقریرات کا مجموعہ ہے جسے مرحوم سید عبد الغنی اردبیلی (۱۲۹۹ تا ۱۳۶۹ شمسی (۲۰۔۱۹۹۰ء) نے ۱۳۲۳ سے ۱۳۲۸ شمسی (۴۴۔۱۹۴۹ء) تک تحریر کیا ہے۔ اس مجموعہ کی پہلی دو جلدیں منظومہ سبزواری کی شرح ہے اور تیسری جلد، اسفار کی آٹھویں اور نویں جلد کے دروس ہیں۔ یہ کتاب دو وجوہات سے قابل توجہ ہے:

الف: سلیس اور عام فہم نثر کی حامل ہے، اس میں مطالب فصیح و بلیغ زبان میں پیش کیے گئے ہیں اور آپ کے دوسرے آثار کی

بہ نسبت اس خصوصیت کی بھی حامل ہے کہ مطالب آسان تر زبان میں بیان کیے گئے ہیں۔

ب: اگرچہ یہ کتاب فلسفی مباحث کے سلسلہ میں ہے لیکن بہت سی باتیں عرفان نظری کے مباحث اور فلسفی وعرفانی مسائل کے درمیان تطبیق سے متعلق بھی ہیں اور اس میں ایسے مطالب بھی ہیں جو مصباح الہدایہ، آداب الصلاۃ اور سرّ الصلاۃ میں اس کتاب سے مکمل مطابقت رکھتے ہیں۔ ایک قابل توجہ بات یہ ہے کہ اس شرح میں قرآن مجید کی آیات سے بہت زیادہ استفادہ کیا گیا ہے اور ان کی انوکھی تفسیر بیان کی گئی۔

۱۷۔ توضیح المسائل:

یہ کتاب آپ کے مقلدین کے لیے شرعی احکام میں آپ کے فتاویٰ اور رسالہ عملیہ کی کتاب ہے۔ یہ کتاب، رسالہ نجاۃ العباد کے بعد تحریر کی گئی اور فارسی کی نجاۃ العباد کے مانند ہے۔ یہ فقہ کے مختلف ابواب پر مشتمل ہے اور درحقیقت لوگوں کے لیے احکام ومسائل بیان کرنے کی اس روش کا تسلسل ہے جس کا آغاز مرحوم آیت اللہ بروجردی (م ۱۳۴۰شمسی، ۱۹۶۱ء) کی مرتب ومنظم کردہ کتاب کے طرز واسلوب سے ہوا اور بعد میں آنے والے فارسی زبان مجتہدین نے اسی انداز میں اپنے فتاوی کی کتابیں تحریر کیں۔(اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے)

۱۸۔ جہاد اکبر یا جہاد بالنفس:

یہ امام خمینیؒ کے اخلاقی وعرفانی آثار میں سے ایک دوسری کتاب ہے۔ یہ کتاب ان دروس پر مشتمل ہے جو آپ نے نجف اشرف میں اپنے شاگردوں اور طالب علموں کو دیئے تھے اور ملموس ومحسوس ہونے کی وجہ سے اس کے مطالب نہایت مشہور ہوئے اور کیسٹوں کو سن کران کو تحریر کیا گیا اور پھر مختلف فارسی وعربی زبانوں میں اسلامی انقلاب سے پہلے اور اس کے بعد شائع کیا گیا۔(اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے)

۱۹۔ حاشیہ بر رسالہ ارث:

یہ کتاب منتخب التواریخ ملا محمد ہاشم خراسانی کے مولف کی ایک کتاب پر حاشیہ ہے۔ بعض دوسرے افراد جیسے سید ابوالحسن اصفہانی ، شیخ عبدالکریم حائری اور آقا حسین قمی نے بھی اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ یہ کتاب فارسی میں لکھی گئی ہے اور امام خمینیؒ نے یہ حواشی تقریباً ۱۳۷۲ھ میں تحریر کیے۔ اس کتاب پر آپ کے حواشی لکھنے کی وجہ شاید یہ ہو کہ مرحوم سید ابوالحسن اصفہانی کی وسیلۃ النجاۃ کی میراث کی بحث ناتمام ہے۔ یہ کتاب پہلی مرتبہ قم میں ۱۳۷۸شمسی (۱۹۹۹ء) میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام

خمینیؒ نے متن کی تصحیح کے ساتھ شائع کی۔

۲۰۔ حکومت اسلامی یا ولایت فقیہ:

یہ کتاب، سیاسی فقہ کے بارے میں ہے اور فارسی زبان میں ایک استدلالی کتاب ہے اور اسلامی حکومت اور ولایت فقیہ کے متعلق آپ کے نظریات، نیز انقلاب کے بعد نہایت حساس اور اہم ترین سیاسی موضوع کے بارے میں آپ کے موقف اور ادلہ کی توضیح پر مشتمل ہے۔

امام خمینیؒ نے یہ مطالب ۱۳۴۸ شمسی (۱۹۶۹ء) میں تیرہ دروس کی صورت میں بیان کیے جن کو بعد میں کیسٹ سے سن کر تحریر کیا گیا اور پھر نجف اور ایران میں کتابی صورت دے دی گئی۔ البتہ آپ نے بعد میں ان مطالب کو عربی میں مختصر طور پر تحریر کیا اور کتاب البیع (جلد دوم) میں ولایت کی بحث کا ضمیمہ قرار دیا۔ اس کتاب کا آخری ایڈیشن مقدمہ، توضیحات اور فہرست کے ساتھ ۱۳۷۳ شمسی (۱۹۹۴ء) میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے شائع کیا۔ اس کتاب کا عربی زبان میں سب سے پہلی مرتبہ ''الحکومۃ الاسلامیۃ'' کے نام سے ترجمہ کیا گیا اور نجف اشرف میں ڈیڑھ سو صفحات پر مشتمل اس کتاب کو شائع کیا گیا اور انقلاب کے بعد بیروت میں ۱۹۷۹ء میں قاہرہ میں ۱۹۷۹ء میں اور عمان میں ۱۴۰۹ھ میں اس کو شائع کیا گیا۔ (اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے)

۲۱۔ حاشیہ بر اسفار:

امام خمینیؒ نے سالہا سال قم میں صدر المتالہین (ملا صدرا) شیرازی (م ۱۰۵۰ھ) کی گرانقدر کتاب "اسفار اربعہ" کا درس دیا اور اس کے مباحث پر حواشی لکھے اور جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ ان دروس کی تقاریر کو سید عبد الغنی اردبیلی (م ۱۳۶۹ شمسی، ۱۹۹۰ء) نے تحریر کیا تھا۔ ان تقاریر کو ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے شرح منظومہ سبزواری کی تقاریر کے ساتھ تین جلدوں میں ۱۳۸۱ شمسی (۲۰۰۲ء) میں شائع کیا لیکن اصل حواشی خود امام خمینیؒ کی تحریر کے ساتھ ابھی تک دستیاب نہیں ہوئے ہیں۔[۱] ممکن ہے یہ حواشی تدریس ہی کے زمانہ میں پیش کیے گئے ہوں اور شاگردوں نے انھیں لکھ لیا ہو لیکن افسوس کہ اصل کتاب کے مفقود ہونے کی وجہ سے حواشی بھی مفقود ہو گئے ہیں۔

۲۲۔ الخلل فی الصلاۃ:

یہ کتاب ان مسائل کے متعلق ہے جو نماز میں خلل ڈالتے ہیں (اور اسے باطل کر دیتے ہیں) یہ کتاب نجف اشرف میں آپ کی

آخری تالیف ہے جسے ۱۳۹۶ھ میں شروع اور ۱۳۹۸ھ میں تمام کیا اور انقلاب کے بعد پہلی مرتبہ ۱۴۰۰ھ میں شائع ہوئی۔ خلل کے اہم ترین مباحث یہ ہیں: قبلہ رخ نہ ہونا اور نماز کا وقت، طہارت مکان و لباس اور ستر عورتین کی طرف متوجہ نہ ہونا۔

اس کتاب کی بعد میں ادارہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ کے توسط سے تحقیق و تصحیح کی گئی اور اس کے مآخذ تفصیل کے ساتھ استخراج کیے گئے اور فہرستوں کے ساتھ (۱۴۲۰ھ) میں اسے دوبارہ شائع کیا گیا۔

۲۳۔ دیوان شعر:

امام خمینیؒ نے جوانی کے دور سے ہی بہت سے عرفانی اشعار حتیٰ بعض سیاسی واجتماعی اشعار کہے ہیں لیکن افسوس کہ آپ کے قدیم اشعار کا ایک بڑا حصہ گھر بدلنے میں اور آپ کے گھر اور کتب خانہ پر ساواک کے کارندوں کے حملہ سے، نیز دوسرے اسباب کی بنا پر کھو گیا ہے۔ انقلاب کے بعد بھی آپ نے بہت سے اشعار غزل، رباعی اور دوبیتی کے قالب میں کہے۔ آپ کے تمام بعد والے اشعار، باقی ماندہ بعض قدیم اشعار کے ہمراہ ایک کتاب میں ''دیوان امام'' کے نام سے شائع کیے گئے ہیں۔ اس سے پہلے بھی آپ کے بہت سے اشعار ''سبوئے عشق''، ''محرم راز''، ''بادہ عشق'' اور ''نقطہ عطف'' کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ ہم عرفانی مباحث کے حصہ میں ان کا تعارف کرائیں گے۔

اس دیوان کے مقدمہ میں جامع معلومات آپ کے اشعار کے اسلوب، آپ کی شعر گوئی کے طرز اور اس کی مختصر تاریخ کے متعلق پیش کی گئی ہے۔ یہ دیوان ۴۴۵ صفحات پر مشتمل نفیس صورت میں پہلی بار ۱۳۷۲ھ میں ادارہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ کی طرف سے شائع ہوا جس کے بعد اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ [۲] (اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے)

۲۴۔ الرسائل العشرة:

یہ کتاب مختلف فقہی موضوعات و قواعد سے متعلق عربی زبان میں تحریر شدہ ان الگ الگ کتابچوں پر مشتمل ہے جن کو یکجا کر دیا گیا ہے۔ ان کتابچوں کی تالیف کی تاریخ بھی مختلف ہے۔ بعض ۷۰ سے ۱۳۷۵ھ تک تحریر کیے گئے۔ مثال کے طور پر ''رسالہ تقیہ'' کو ۱۳۷۳ھ میں اور ''فروع علم اجمالی'' کو ۱۳۷۵ھ میں تالیف کیا گیا۔ بہر حال ان کتابچوں کی فہرست مندرجہ ذیل ہیں:

۱)۔رسالة فی التقیه

یہ تقیہ کے موضوع پر امام خمینیؒ کی ایک فقہی اجتہادی کتاب ہے جسے عربی زبان میں ۱۳۷۲ھ (۱۹۵۳ء) کو تصنیف کیا گیا، اس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ تقیہ واجب قرار دینے کا فلسفہ دین کی حفاظت کے لیے ہے، اس کو مٹانے کے لیے نہیں۔ یہ کتاب

۱۳۸۵ھ (۱۹۶۵ء) میں قم سے شائع ہونے والے مجموعہ الرسائل میں چھپ چکی ہے۔

۲)۔ رسالۃ فی قاعدۃ من ملك

یہ کتاب ''قاعدۃ من ملك'' نامی فقہی قاعدہ پر امام خمینیؒ کی اجتہادی تصنیف ہے۔ مصنف کتاب ''آثار الحجہ'' شائع شدہ ۱۳۷۳ھ (۱۹۵۴ء) نے اس کتاب کا تذکرہ کیا ہے۔

۳)۔ رسالۃ فی تعیین الفجر فی الیالی المقمرہ

یہ چاندنی راتوں میں وقت فجر کے تعیین کے موضوع پر فقہی اور استدلالی کتاب ہے، جو اسی عنوان سے ۱۳۶۷ھ ش (۱۹۸۸ء) میں قم سے شائع ہو گئی ہے۔

۴)۔ فروع العلم الاجمالی

۵)۔ تداخل الاسباب

۶)۔ نقد قیاس اوامر تشریعی با علل تکوینی

۷)۔ موضوع علم اصول

۸)۔ شرح حال عقود و ایقاعات

۹)۔ قاعدہ ید

۱۰)۔ در حال شروط مخالف کتاب

ان میں سے بعض کتابچے جداگانہ صورت میں شائع ہوئے ہیں، جیسے ''رسالۃ فی تعیین الفجر فی اللیالی المقمّرۃ'' جو کہ ۱۳۶۷ شمسی (۱۹۸۸ء) میں شائع ہوا۔

۲۵۔ الرسائل:

یہ رسالہ ایک اصولی مسئلہ یعنی معصومین (ع) سے منقول احادیث کے درمیان ''تعادل وتراجیح'' کے بارے میں ہے۔ اس رسالہ کی تالیف کی تاریخ مولف کے قلم سے جو کہ عربی زبان میں لکھا گیا ہے، ۱۳۷۰ھ ہے۔ البتہ ۱۳۸۵ھ میں اس کی پہلی طباعت

میں بحث تعادل وتراجیح کے علاوہ قاعدہ لاضرر، استصحاب، اجتہاد و تقلید اور تقیہ کے مباحث کو شامل کیا گیا اور اس کی تصحیح مجتبیٰ تہرانی نے انجام دی۔ اس کے بعض صفحات کے حاشیہ میں کچھ توضیحات پائی جاتی ہیں۔

۲۶۔ سر الصلاۃ یا معراج السالکین وصلاۃ العارفین:

یہ کتاب، جیسا کہ آداب الصلاۃ کی مناسبت سے اشارہ کیا گیا، نماز کے قلبی آداب اور معنوی اسرار سے متعلق ہے اور اس میں گہرے اور وزنی مطالب پائے جاتے ہیں۔ یہ کتاب فارسی زبان میں ہے اور عرفاء کی اصطلاحات کے ذکر کے ساتھ خواص کے لیے تحریر کی گئی ہے۔ اس کتاب کو ۱۳۵۸ھ میں تحریر کیا گیا۔ اس میں نماز کے معنوی اسرار کے بیان کے ضمن میں سلوک الی اللہ کے مقامات، مدارج اور منازل کی توضیح دی گئی ہے۔ اس کتاب اور کتاب آداب الصلاۃ میں آیات وروایات کی بعض عرفانی تاویلات ذکر کی گئی ہیں اور احکام نماز جیسے طہارت، ازالہ نجاست، مکان کے مباح ہونے، وقت میں داخل ہونے اور اس طرح کے مسائل کے بیان کے ساتھ ساتھ ان کے باطن اور اسرار پر بھی توجہ دی گئی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۶۹ شمسی (۱۹۹۰ء) میں اصلاح اور فہرستوں کے ساتھ ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے شائع کی۔ البتہ اس سے قبل بھی کئی بار شائع ہو چکی تھی۔

۲۷۔ شرح دعائے سحر:

یہ کتاب حضرت امام محمد باقر(ع) سے منقول دعائے سحر کہ جس کو آپؑ رمضان المبارک میں سحر کے وقت پڑھا کرتے تھے، کی شرح ہے۔ حضرت امام علی رضا(ع) نے ایک دوسرے طریقہ سے اس دعا کی تصحیح وتصدیق فرمائی ہے۔ امام خمینیؒ نے ۱۳۴۷ھ میں اس کتاب کو عربی زبان میں تحریر فرمایا اور آیات وروایات سے استفادہ کرتے ہوئے اس کے مبہم اور اہم عرفانی واعتقادی نکات کی شرح کی ہے۔ شاید یہ آپ کی پہلی کتاب ہے اس کو آپ نے ۲۷ سال کی عمر میں تحریر کیا۔ علوم نقلی وعقلی کے حصول کے بعد آپ عرفان کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنے استاد مرحوم شاہ آبادی سے متاثر ہو کر بارہا بہت سے مطالب کو ان سے نقل اور ان کے نظریہ کو اس کتاب میں تحریر کیا ہے۔

اگرچہ یہ کتاب بارہا چھپ چکی ہے لیکن اس کتاب کا آخری ایڈیشن خصوصیت کا حامل ہے کہ جسے ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے (۱۴۱۶ھ) میں تحقیق وتصحیح اور فہرستوں کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۲۸۔ شرح حدیث جنود عقل وجہل:

یہ کتاب حضرت امام جعفر صادق کی اس روایت کی شرح ہے جو کہ ''جنود عقل وجہل'' کے نام سے موسوم ہے اور اخلاقی

فضائل ورذائل کے ۵۷ عناوین پر مشتمل ہے (۳) اور امام خمینیؒ نے اس کے ۲۵ عنوان تک کی شرح اس کتاب میں فارسی میں کی ہے۔ کتاب کے پہلے حصہ میں آپ نظری پہلو، اوصاف عقل وجہل کے تجزیہ اور ان کے وجود وخلقت کی کیفیت پر بحث کرتے ہیں اور دوسرے حصہ میں عملی پہلو، اخلاق وانسان شناسی کے مسائل اور سیر وسلوک کے موضوعات کی طرف رہنمائی پر توجہ دیتے ہیں۔ امام خمینیؒ نے اس کتاب کے مطالب کو پہلے اپنے دروس میں بیان کیا، پھر ان دروس کو ماہ رمضان ۱۳۶۳ھ میں ۴۳ سال کی عمر میں شہر محلات میں تحریر اور مکمل کیا۔ (۴)

اس کتاب کے کچھ حصے پہلی مرتبہ تین جلدوں میں ''اخلاق اسلامی'' کے نام سے شیخ علی تہرانی کے توسط سے ۹۷، ۱۳۹۸ھ ق میں شرح کے ساتھ انتشارات خانہ کتاب یزد، کانون نشر کتاب اور انتشارات حکمت نے شائع کئے، لیکن بعد میں اس کتاب کو موجود نسخوں سے مطابقت اور تصحیح کر کے فہرستوں کے ساتھ ۱۳۷۷ شمسی (۱۹۹۸ء) میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے شائع کیا۔

۲۹۔ صحیفہ امام یا صحیفہ نور:

یہ کتاب جو کہ بائیس جلدوں پر مشتمل ہے۔ امام خمینیؒ کی مرجعیت کے دوران خصوصاً اسلامی انقلاب کے بعد آپ کے پیغامات، تقریروں، انٹرویوز، احکام، خطوط اور اجازات کا مجموعہ ہے۔ اس کتاب کا اہم ترین حصہ جو کہ دوسری مختلف شکلوں میں اور منجملہ ان کے ''تبیان'' کی کتابوں کی سیریز کے ساتھ شائع ہوا ہے، آپ کا سیاسی والٰہی وصیت نامہ اور عوام اور حکام کو دی جانے والی آپ کی سیاسی، اجتماعی اور دینی ہدایات ہیں۔

امام خمینیؒ کے پیغامات اور تقریروں کا ۲۲ جلدوں پر مشتمل دورہ، جس کی ایک جلد میں عنوانات وموضوعات، کتابیات اور اشخاص کی فہرست ہے۔ پہلے ایڈیشن میں ''صحیفہ نور'' کے نام سے ایک جلد ''مفتاح صحیفہ'' کے ساتھ شائع ہوئی۔ البتہ کتاب صحیفہ امام میں نظر ثانی کی گئی ہے اور بہت سی تقاریر، خطوط اور اجازات کا اضافہ کیا گیا ہے جو اس سے پہلے ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ کو دستیاب نہیں تھے اور ابھی آپ کے بہت سے دوسرے غیر مطبوعہ خطوط، فرمودات اور بیانات موجود ہیں جن کا شامل کیا جانا ضروری ہے۔ اس کتاب کے مطالب کو تاریخ وار بیان کیا گیا ہے اور تقریر یا پیغام کے ضمن میں آیات وروایات کی تفسیر یا تفسیری استدلال واستشہاد موجود ہے۔ البتہ آپ کی تقریروں اور پیغامات کا ایک دوسرا مجموعہ ''کوثر'' کے نام سے جمع کیا گیا ہے جو کہ ہر تقریر اور پیغام کی تشریح وتوضیح کے ساتھ ہے اور اب تک اس کی تین جلدیں جو کہ ایک ہزار نو سو صفحات پر مشتمل ہیں، شائع ہو چکی ہیں۔ (اردو زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے)

۳۰۔ کشف اسرار:

یہ کتاب ۱۳۶۴ھ ق میں حکمی زادہ کی کتاب ''اسرار ہزار سالہ'' کے جواب میں لکھی گئی اور اس میں ایک ایسے زمانے میں کتاب ''اسرار ہزار سالہ'' میں اٹھائے جانے والے اعتقادی، سیاسی اور اجتماعی شبہات کا جواب دیا گیا ہے۔

اس کتاب میں یونان کے قدیم فلاسفہ اور فلاسفہ اسلام کے آراء و نظریات کو بیان اور ان پر تنقید کرنے کے ساتھ تشیع کی حقانیت اور علمائے اسلام کے مثبت کردار کی تاکید کی گئی ہے۔ یہ کتاب انقلاب کے بعد شائع نہیں ہوئی۔ (اردو زبان میں چھپ چکا ہے)

۳۱ ۔ طلب وارادہ:

جبر واختیار کلامی مباحث میں سے ایک ایسی مشکل ترین بحث ہے جس نے بہت سے علماء کی توجہ اپنی جانب مبذول کر رکھی ہے۔ قرآن مجید میں جبر واختیار سے متعلق آیات موجود ہونے کی وجہ سے عالم اسلام میں جبر واختیار کے حامی ومخالف کلامی گروہوں نے اس پر بحث کی ہے جس کی وجہ سے اس سلسلے میں بہت زیادہ اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ امام خمینیؒ اصول فقہ کی تدریس کے وقت جب الفاظ کے مباحث میں طلب وارادہ کی بحث تک پہنچتے ہیں تو فلسفی وعرفانی نظر سے آیات وروایات پر توجہ دیتے ہیں اور اس موضوع کی جداگانہ تحقیق کرتے ہیں، پھر اسے الگ کتابی شکل دیتے ہیں۔

۱۳۶۲ شمسی (۱۹۸۳ء) میں سید احمد فہری نے اس کتاب کا کہ جو عربی میں تھی، فارسی میں ترجمہ کیا اور شرح کے ساتھ شائع کیا۔

۳۲۔ کتاب البیع:

یہ کتاب ۵ جلدوں میں عربی زبان میں ہے۔ بیع وتجارت سے متعلق مسائل پر مشتمل فقہ استدلالی ہے۔ یہ کتاب ۱۳۸۰ھ سے ۱۳۹۶ھ تک کے دوران اور زیادہ تر شہر نجف میں لکھی گئی اور اس کا پہلا ایڈیشن وہیں شائع ہوا۔ اس کے بعد ایران میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے تحقیق وتصحیح، استخراج منابع ومآخذ اور فہارس کے ساتھ شائع کیا ہے۔

۳۳۔ کتاب الطہارۃ:

یہ چار جلدوں پر مشتمل عربی زبان میں فقہی اور استدلالی کتاب ہے جس کی دو جلدیں ۱۳۷۳ھ ق سے محقق حلی (م ۶۷۶ھ) کی

''شرائع الاسلام'' کی ترتیب کے مطابق تدوین کی گئی ہیں اور دماء ثلاثہ کے مباحث تک مدوّن کی گئی ہیں، پہر ۱۳۷۶ سے ۱۳۷۸ھ تک قم میں تیمّم، نجاسات اور انکے احکام کے مباحث کا سلسلہ جاری رہا۔ البتہ موضوعی ترتیب تاریخ وار نہیں ہے، یعنی پہلی اور دوسری جلد ۱۳۷۶ھ میں، تیسری جلد ۱۳۷۳ھ میں اور چوتھی ۱۳۷۷ھ میں تالیف کی گئی۔

کتاب طہارت کے دو ایڈیشن موجود ہیں۔ پہلا ایڈیشن چار جلدوں میں مکتبۃ الحکمۃ اور مکتبۃ العلمیۃ قم نے شائع کیا ہے اور دوسرا ادارہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ نے شائع کیا ہے۔ (۵)

۳۴۔ لمحات الاصول:

یہ کتاب آیت اللہ بروجردی کے درس اصول فقہ کی تقاریر ہیں جو عربی زبان میں تحریر کی گئی ہیں اور ۱۳۶۴ھ سے ۱۳۷۰ھ تک چھ سال امام خمینیؒ کے اپنے استاد کے درس میں شرکت کا نتیجہ ہے۔ مولف نے اس کتاب کا کوئی نام نہیں رکھا ہے۔ کتاب کے محققین نے اس نام کا انتخاب کیا ہے۔ (۶)

یہ کتاب ایک مقدمہ اور چھ مقاصد پر مشتمل ہے اور یہ اوامر کی بحث سے شروع ہو کر حجیت قطع اور ظن کے کچھ حصہ کی بحث پر ختم ہوئی ہے۔ اس وجہ سے یہ کتاب علم اصول کے تمام مباحث پر مشتمل نہیں ہے اور بحث ظن کا کچھ حصہ، برائت، اشتغال، استصحاب اور تعادل وتراجیح کے جن مباحث کو بیان کرنے کا موقع مرحوم آیت اللہ بروجردی کو نہیں ملا، اس کتاب میں نہیں ہیں۔ باوجودیکہ امام خمینیؒ نے اس کتاب کی تحریر کے دوران دوسری اصولی کتابیں بھی تالیف کیں اور آپ کے نظریات اس کتاب سے مختلف تھے اور اسی زمانہ میں مشغول تدریس تھے، پھر بھی آپ نے اظہار نظر اور استاد پر اعتراض سے پرہیز کیا ہے اور فقط استاد کے مباحث کو قلمبند کرنے پر اکتفا کیا ہے۔ یہ کتاب (۱۴۲۱ھ) میں تصحیح و تحقیق اور فہرستوں کے ساتھ ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے شائع کی۔

۳۵۔ مصباح الهداية الى الخلافة والولاية:

یہ عربی زبان میں ایک عرفانی کتاب ہے مولف نے اسے ۱۳۴۹ھ میں اٹھائیس برس کی عمر میں مکمل کی اور عرفان نظری کے اصل مباحث مثلاً توحید، اسماء وصفات، خلافت الٰہیہ، انسان کامل اور اسفار ومقامات اربعہ کی توضیح پر مشتمل ہے۔ ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ کی جانب سے شائع شدہ اس کتاب کا ایڈیشن استاد سید جلال الدین آشتیانی کے ایک مفصل مقدمہ سے مزین ہے۔ اس سے پہلے سید احمد فہری نے اس کتاب کا فارسی میں ترجمہ کیا اور کتاب کے تعارف میں ایک مقدمہ لکھ کر اس کے بعد مطالب کی وضاحت کی جس کو پیام آزادی پبلیکشن نے شائع کیا۔

۳۶۔المکاسب المحرّمة:

یہ عربی زبان میں دو جلدوں پر مشتمل فقہی واستدلالی کتاب ہے جو شریعت میں حرام قرار دیئے گئے پیشوں سے متعلق ہے۔ مولف نے ۱۳۳۷ سے ۱۳۴۰ شمسی تک اپنے شاگردوں کو ان مطالب کا درس دیا تھا، پھر ان کو ہر درس کے مکمل ہونے کے بعد تدوین کیا اور آٹھویں جمادی الاول ۱۳۸۰ھ کے دن اس کی تالیف کا کام پایہ تکمیل کو پہنچایا۔(۷)

''المکاسب المحرمه'' امام خمینیؒ کے درس خارج فقہ کی تیسری کتاب ہے۔اس کی تدریس اور تالیف کا کام آپ نے کتاب زکات وطہارت کے بعد انجام دیا۔اس کتاب پر اب تک دو بار تحقیق کی گئی ہے اور حاشیہ لگایا گیا ہے، پہلی بار آپ کے شاگرد شیخ مجتبیٰ تہرانی نے تصحیح کی اور منابع وماخذ کا استخراج کیا اور ۱۳۴۱ شمسی میں مہر پریس نے شائع کیا اور دوسری بار ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ میں اس پر تحقیق کی گئی، فہرستوں کا استخراج کیا گیا اور متن سے استفادہ کر کے مباحث کے عناوین کا اضافہ کیا گیا اور ۷۳۔۱۳۷۴ شمسی میں اسے شائع کیا گیا۔

۳۷۔ مناهج الوصول الیٰ علم الاصول:

یہ کتاب عربی زبان میں ہے اور دو جلدوں پر مشتمل ہے۔ مولف نے ۱۳۷۳ھ میں علم اصول کی تدریس کے بعد اس کو تالیف کیا۔ یہ کتاب انقلاب اسلامی کے بعد طبع ہوئی۔اس سے پہلے آپ کے اصولی نظریات کو آپ کے شاگردوں کی تقاریر خصوصاً جعفر سبحانی کی کتاب ''تهذیب الاصول'' سے حاصل کیا جاتا تھا۔

''تهذیب الاصول،لمحات الاصول اور انوار الهدایه'' کی نسبت اس اصولی کتاب کی خصوصیت آپ کے قلم سے مباحث کا ایجاز کے ساتھ بیان کیا جانا اور نظریات وآراء کا دقیق استناد ہے۔البتہ یہ کتاب علم اصول کے تمام مباحث پر مشتمل نہیں ہے۔اس میں صرف الفاظ وہ بھی مطلق ومقید تک کی بحث ہے۔ یہ کتاب ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے تحقیق وتصحیح اور فہرستوں کے استخراج کے ساتھ ۱۴۱۴ھ میں شائع کی۔

۳۸۔نامہ ھائے عرفانی از جلوہ ھائے عرفانی:

امام خمینیؒ نے عرفاء کی روش پر اپنے متعلقین کو مخاطب کر کے اخلاقی اور سیر وسلوک کے دستور العمل تحریر فرمائے ہیں جن کے نمونے '' محرم راز، رہ عشق اور نقطہ عطف'' جیسی کتابوں میں ادارہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ نے شائع کئے ہیں۔اب ان خطوط کا مجموعہ فارسی میں ''جلوہ ہائے رحمانی'' کے نام سے اور عربی میں ''المظاہر العرفانیه'' کے نام سے شائع کیا گیا ہے۔یہ

خطوط مختلف تاریخوں میں ۱۴۰۲ھ سے لے کر ۱۴۰۸ھ تک تحریر کیے گئے۔

۳۹۔ شرح حدیث رأس الجالوت:

حدیث راس الجالوت (حضرت امام رضاؑ کے مختلف ادیان و مذاہب کے رہنماؤں بالخصوص یہودی عالم دین راس الجالوت کے ساتھ مناظرے) پر امام خمینیؒ کی شرح ہے، یہ کتاب ۱۳۴۸ھ (۱۹۲۹ء) میں لکھی گئی ہے۔ ۱۳۵۳ھ (۱۹۳۴ء) میں شائع شدہ آئینہ دانشوران کے مصنف نے اپنی کتاب میں امام کی اس کتاب کا ذکر کیا ہے۔

۴۰۔ حاشیہ بر شرح حدیث رأس الجالوت:

مندرجہ بالا حدیث پر امام کی مذکورہ علیحدہ شرح کے علاوہ آپ نے حدیث راس الجالوت پر گیارہویں صدی کی عرفانی شخصیت مرحوم قاضی سعید قمی کی شرح پر ایک ضمیمہ لکھا ہے جس کا تذکرہ آئینہ دانشوران کے مصنف کے علاوہ نامور عالم دین مرحوم شیخ آغا بزرگ تہرانی نے بھی کتاب الذریعہ میں کیا ہے۔

۴۱۔ رسالہ لقاء اللہ:

یہ فارسی میں عرفانی مسائل پر ہے جو ضمیمے کے طور پر آیت اللہ حاج میرزا جواد آملی تبریزی کی کتاب رسالہ لقاء اللہ کے آخر میں فیض کاشانی اشاعتی ادارہ، تہران نے شائع کیا ہے۔ اس کی چوتھی اشاعت ۱۳۷۰ شمسی (۱۹۹۱ء) میں ہوئی۔

۴۲۔ رسالۃ فی التعادل والتراجیح:

مصنف بزرگوار امام خمینیؒ کے ہاتھوں اس کتاب کی تاریخ تصنیف ۱۳۷۰ھ (۱۹۵۱ء) ہے اس میں تعادل و تراجیح علم اصول فقہ کی آخری مباحث شامل ہیں جن میں دلائل کے ٹکراؤ کی صورت میں انتخاب دلیل کے معیاروں پر بحث کی جاتی ہے۔ یہ کتاب بھی ۱۳۸۵ھ (۱۹۶۵ء) میں الرسائل نامی مجموعے کے ضمن میں قم سے شائع ہوئی۔

۴۳۔ تقریرات درس اصول:

حضرت امام خمینیؒ نے اس کتاب میں آیت اللہ العظمیٰ بروجردی کے دروس علم اصول فقہ کو اپنے قلم سے عربی میں درج کیا ہے، پہلی بار مؤسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ کی طرف سے اس کتاب پر تحقیق اور طباعت کے امور انجام دیئے جا رہے ہیں۔

۴۴۔ مناسک حج:

مناسک اور اعمال حج سے متعلق امام خمینیؒ کے فتاوی کا مجموعہ جدید ترین اشاعت: ۱۳۷۰ شمسی (۱۹۹۱ء) یکے از مطبوعات مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ، صفحات: ۲۷۲۔ (اردو ترجمہ ہو چکا ہے)

۴۵۔ سیاسی الٰہی وصیت نامہ:

یہ موجودہ اور آنے والے نسلوں کے نام امام خمینیؒ کا سب سے اہم زندہ جاوید پیغام ہے جس میں امام خمینیؒ نے اپنے حق پر مبنی عقائد بیان کرنے کے علاوہ عالم اسلام اور انسانی معاشرے کے سیاسی اور معاشرتی مسائل کے بارے میں اپنی اہم ترین آراء اور رہنمائیوں کو، مدلل تجزیہ و تحلیل کے ساتھ پرخلوص نصیحتوں کے سانچے میں ڈھالا ہے، یہ کتاب اب تک مختلف ناشروں ،انقلابی اداروں اور آپ کے معتقدین کی طرف سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہوئی ہے اور مختلف زبانوں میں اس کا ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

اس کی جدید ترین اشاعت مؤسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینیؒ کی طرف سے کی گئی ہے، جس میں وصیت نامے کے مکمل متن اور اس کے قلمی نسخے کی مکمل نقل کے علاوہ وصیت نامے کی ترتیب سے متعلق مختصر تاریخی پس منظر دیا گیا ہے اور اس کے مطالب پر ایک نظر ڈالی گئی ہے۔ اس کے ہمراہ '' سیاسی الٰہی وصیت نامے کا موضوعی پس منظر '' کے عنوان سے مطالب کی موضوعی درجہ بندی کر کے فہرست بھی دی گئی ہے۔

حوالہ جات

[۱] تقریرات فلسفہ امام خمینیؒ، ج۱، مقدمہ مصححین، ص۱۷۔

[۲] انصاری، حمید، حدیث بیداری، ص۲۳۸۔

[۳] کافی، ج۱، ح۱۴۔

[۴] امام خمینیؒ، شرح حدیث جنود عقل و جہل، ص۴۲۹۔

[۵] کتاب الطہارۃ؛ ج۱، ص ز، طبع موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ۔

[۶] لمحات الاصول، ص لا، طبع موسسہ تنظیم و نشر آثار امام خمینیؒ۔

[۷] امام خمینیؒ، المکاسب المحرمہ، ج۲، ص۴۳۲۔